فہرست

لمعات: (صرف ایک سوال)	ادارہ	3
مقصودِ اقبالؒ (نظم)	اسد ملتانی	11
21 اپریل یادِ اقبالؒ	غلام احمد پرویزؒ	12
دع و (ماخوذ از لغات القرآن)	غلام احمد پرویزؒ	23
اسلامی نظام کی انفرادیت	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	32
میثاقِ مدینہ (قراردادِ معاہدہ)	محمد اکرم راٹھور، لاہور	40
شرافت کا پیکر چل بسا	عبداللہ ثانی، پشاور	46
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے؟	عطاء الحق قاسمی	49
کیا ہم مسلمان ہیں؟	ڈاکٹر ازہر ازہری	52
IT ٹیلی مواصلات۔ علم اور ترقی کا راستہ	ڈاکٹر عطاء الرحمٰن	56
فہمِ قرآن کے لئے محترم پرویز کا موقف	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	59

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- کلاسک بک سیلرز، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔	فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226
2- سانجھ بک سیلرز، بک اسٹریٹ 46/2، مزنگ روڈ، لاہور۔	موبائل: 0333-4051741
3- مسٹر بکس، بک سیلرز، سپر مارکیٹ، اسلام آباد۔	فون: 051-2824805-2278843
4- البلال بک ڈپو، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0344-2502141	5- شہباز بک ایجنسی، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32632664
6- مذہبی کتب خانہ، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0331-2716587	7- شاہ زیب انٹر پرائزز، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32214259
8- علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32628939	9- مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32212269
10- مکتبۂ دارالقرآن، اردو بازار، کراچی۔	11- محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631056

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

صرف ایک سوال

یہ شکایت آج کی نہیں، صدیوں سے چلی آ رہی ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔۔کسی خاص فرقہ۔خاص گروہ۔خاص ملک کے مسلمانوں نے نہیں۔پوری کی پوری اُمتِ مسلمہ نے۔بات ہے تو درست، لیکن سوال یہ ہے کہ کبھی کسی نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ یہ کیا ہوا کہ پوری کی پوری قوم نے اسلام چھوڑ دیا۔اور یہ ایک آدھ دن کی بات نہیں۔ صدیوں سے اس کی یہی حالت ہے۔تو ایسا کیوں ہے؟ ایک بات تو بالکل واضح ہے۔۔پہلے اسی پر غور کرنا چاہئے۔

آپ کسی کمیونسٹ سے پوچھئے کہ کمیونزم کسے کہتے ہیں۔وہ صاف، واضح اور متعین الفاظ میں اس کا جواب دے دے گا۔۔۔آپ یہ سوال متعدد کمیونسٹوں سے پوچھئے۔ہر ایک کا جواب ایک ہی ہوگا۔اس جواب کی روشنی میں آپ کے لئے یہ متعین کرنا ذرا بھی مشکل نہیں ہوگا کہ فلاں شخص کمیونسٹ ہے یا نہیں۔یا فلاں قوم نے کمیونزم کو چھوڑ دیا ہے یا وہ اس پر عمل پیرا ہے۔

اسی طرح آپ سوشلسٹوں سے، سوشلزم کے متعلق پوچھئے ان کے ہاں سے بھی متعین جواب مل جائے گا کہ سوشلزم کسے کہتے ہیں اور اس کے جواب کی روشنی میں آپ بآسانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ فلاں شخص یا قوم نے سوشلزم کو چھوڑ دیا ہے یا نہیں؟

اس قسم کا سوال آپ مغربی جمہوریت (Western Democracy) کے متعلق پوچھئے۔وہاں سے بھی آپ کو متعین جواب مل جائے گا۔

اس کے بعد آپ کسی مسلمان سے پوچھئے کہ اسلام کیا ہے اور پھر دیکھئے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے، اور جب آپ یہی سوال مختلف مسلمانوں سے پوچھیں تو اس کے بعد دیکھئے کہ ان میں سے ایک کا جواب دوسرے سے نہیں ملے گا۔یہ بات ہم عوام کے متعلق نہیں کر رہے۔حضرات علماء کرام سے یہ سوال کیجئے اور پھر دیکھئے کہ ان کے ہاں سے کیا جواب ملتا ہے اور ایک کا جواب دوسرے سے کس قدر مختلف ہوتا ہے۔ہم یہ بات محض نظری طور پر نہیں کہہ رہے۔عملاً ایسا ہو چکا ہے۔1953ء کے (ختمِ نبوت تحریک کے سلسلہ میں) فساداتِ پنجاب کی تحقیقاتی کمیٹی نے (جسے عرفِ عام میں منیر کمیٹی کہا جاتا ہے) مختلف علماء کرام سے

پوچھا کہ ''مسلمان کسے کہتے ہیں'' کمیٹی کی رپورٹ مطبوعہ شکل میں موجود ہے اس میں آپ دیکھئے کہ ان حضرات کی طرف سے اس سوال کا جواب کیا ملا تھا! ان میں سے بعض نے تو کہہ دیا کہ اس سوال کا جواب دو چار فقروں میں دیا نہیں جا سکتا۔ اس کے لئے صفحات درصفحات درکار ہوں گے۔ جنہوں نے جواب دیا۔ ان کے متعلق رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:۔

ان علماء میں سے کسی دو کے جواب بھی ایک دوسرے سے ملتے نہیں تھے۔ (انگریزی رپورٹ۔ ص ۲۱۸)۔

آپ اس رپورٹ پر نہ جائیے۔ مختلف فرقوں کے علماء حضرات سے خود یہ سوال پوچھئے کہ اسلام کسے کہتے ہیں اور مسلمان کی تعریف (Definition) کیا ہے۔ ان کے جواب خود اس رپورٹ کی تائید کر دیں گے۔ ان حقائق کی روشنی میں آپ سوچئے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے' تو اس کا متعین مفہوم کیا ہے؟ جب ہم متعین اور متفق طور پر یہی نہیں بتا سکتے کہ مسلمان کسے کہتے ہیں اور اسلام کیا ہے تو ایسا کہنے کا مفہوم کیا ہوگا کہ ''مسلمانوں نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔'' یہ وجہ ہے جو ہم صدیوں سے یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ مسلمانوں نے اسلام چھوڑ دیا ہے اور مسلمان ہیں کہ اسلام کو اختیار کرنے کا سوچتے تک نہیں۔ یہ اس لئے کہ انہیں پتہ ہی نہیں کہ انہوں نے کیا چھوڑ دیا ہے اور انہیں کیا اختیار کرنا چاہئے۔ ہم اتنا واضح کر دیں کہ مختلف فرقے اپنے اپنے فرقہ کے تصور کا اسلام تو بتا دیں گے۔ لیکن وہ اسلام جو ساری امت میں قدر مشترک ہے' جس کی طرف نسبت سے وہ امت' امت مسلمہ کہلاتی ہے اور جس کے متعلق شکایت ہے کہ اس نے اسے چھوڑ دیا ہے' اس کی بابت کوئی کچھ نہیں بتا سکے گا کہ وہ ہے کیا؟

ہم سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر اور تو اور' آپ خود بھی وقف تعجب ہو جائیں گے کہ جس بات کے متعلق کبھی ہم نے اتنا سوچنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ یہ بھی ایسا سوال ہے جس پر غور کرنا چاہئے' وہ بات کس قدر اہم اور بنیادی نکلی۔ اس کے بعد آپ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ ہم تو خیر عامی ہیں۔ دین کے متعلق ہماری معلومات بہت کم ہیں' اس لئے ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔ لیکن ہمارے علماء کرام کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بھی اس سوال کا متفق علیہ جواب نہیں دے سکتے۔ اور جب ان کی یہ کیفیت ہے تو پھر وہ امت میں اپنی موجودہ پوزیشن کو کس طرح قائم رکھے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اسلام کے متعلق مطمئن کس طرح کر دیتے ہیں؟

اس کی ایک خاص ٹیکنیک ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے کچھ اصطلاحات وضع کر رکھی ہیں جن کا تقدس عوام کے دلوں میں راسخ کر دیتے ہیں۔ ان اصطلاحات کو مبہم رکھا جاتا ہے۔ یعنی ان کا واضح مفہوم بیان نہیں کیا جاتا۔ ہر موقع پر اس اصطلاح کو استعمال کر دیتے ہیں اور بس۔۔ مثلاً ان میں بنیادی اصطلاح خود اسلام ہے۔ آپ آئے دن ان حضرات کی

زبانی اس قسم کے الفاظ سنتے رہتے ہیں کہ ''اسلام کا حکم یہ ہے'' اس معاملہ میں ''اسلام کا منشاء یہ ہے''۔ اس باب میں ''اسلام یہ کہتا ہے۔'' اب ظاہر ہے کہ ''اسلام'' کسی شخص کا نام نہیں جس کے متعلق سمجھا جا سکے کہ وہ ایسا کہتا ہے یا اس کا حکم یہ ہے۔ اس کے لئے کوئی سند یا حوالہ ہونا چاہئے جہاں سے معلوم ہو سکے کہ کون ایسا کہتا ہے۔ یہ کس کا حکم ہے۔ لیکن یہ حضرات کبھی حوالہ نہیں دیں گے' اسے ہمیشہ مبہم رکھیں گے۔ اس لئے کہ جب یہ کہیں گے کہ ''اسلام کا یہ فیصلہ ہے'' تو اکثر و بیشتر یہ فیصلہ ان کا اپنا ہوگا جسے یہ اسلام کا فیصلہ کہہ کر پیش کر دیں گے اور یا ان کے فرقہ کا فیصلہ۔ اب ظاہر ہے کہ کسی فرقہ کا فیصلہ تو اسلام کا فیصلہ نہیں کہلا سکتا۔ لیکن یہ اسے دانستہ مبہم رکھیں گے۔

اس قسم کی ایک اصطلاح ہے ''اسلامی شریعت'' یا ''شریعتِ حقہ''۔ آئے دن اس قسم کے الفاظ سننے میں آتے ہیں کہ شریعت کا یہ حکم ہے۔ شریعت کا یہ فیصلہ ہے۔ یہ از روئے شریعت ناجائز ہے۔ آپ دل میں سمجھتے ہوں گے کہ یہ اسلام کا فیصلہ ہے۔ لیکن یہ بھی درحقیقت کسی فرقہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں ہر فرقہ کی شریعت الگ الگ ہے۔ جسے آپ ''اسلام کی شریعت'' کہیں گے۔۔۔ یعنی وہ شریعت جسے تمام مسلمان متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کریں' اس کا کہیں وجود نہیں۔

ایک اصطلاح ''سنت رسول اللہ ﷺ'' ہے۔ اس کے متعلق تو آپ سمجھتے ہوں گے کہ یہ تمام مسلمانوں میں متفقہ علیہ ہوگی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تو ایک ہی تھی اس لئے حضور ﷺ کی سنت بھی ایک ہی ہوگی۔ لیکن ایسا نہیں۔ سنت رسول اللہ ﷺ بھی ہر فرقہ کی الگ الگ ہے۔ حتیٰ کہ ''سنت'' کی تعریف (Definition) تک بھی مختلف۔

یہ (اور اسی قسم کی کئی ایک اور) اصطلاحات ہمارے ہاں صدیوں سے رائج چلی آ رہی ہیں۔ لیکن ہمارے زمانے میں چونکہ سیاست کو زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے اس لئے اب قدیم اصطلاحات کے بجائے' جن کا تعلق ''مذہب'' سے سمجھا جاتا ہے' نئی نئی اصطلاحات وضع کی جا رہی ہیں۔ ان میں ایک اصطلاح ''اقامت دین'' ہے۔ اس اصطلاح کی پبلسٹی تو بہت زیادہ ہوتی ہے' لیکن اسکا متعین مفہوم آج تک نہیں بتایا گیا۔ اگر اس اصطلاح کے مدعی اس کا مفہوم واضح کر دیں تو مختلف فرقوں کے علماء شور مچا دیں کہ جسے تم دین کہتے ہو' وہ دین ہے ہی نہیں۔ لہٰذا' ان حضرات نے بھی اسی میں خیریت سمجھ رکھی ہے کہ اس اصطلاح کو مبہم رکھا جائے۔

اب ''دین'' کے بجائے نظام کا لفظ زیادہ پاپولر ہو رہا ہے۔ اس کی بنا پر ایک اصطلاح ''اسلامی نظام'' ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہمارے ہاں خود اسلام کا مفہوم ہی متعین نہیں' اس لئے ''اسلامی نظام'' کی اصطلاح بھی شرمندۂ معنی نہیں ہوئی' نہ ہو سکتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ عصرِ حاضر کی سیاست میں جس مقصد کے لئے سلوگن وضع اور اختیار کئے جاتے ہیں اس مقصد کے لئے ہمارے ہاں کے مذہبی طبقہ میں اس قسم کی اصطلاحات وضع کی جاتی ہیں۔ سلوگن سے مراد ہوتی ہے ایسے الفاظ جن کا مفہوم متعین نہ ہو لیکن جنہیں عوام میں پاپولر بنا کر فریقِ مقابل کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اگر ذرا بنظرِ تعمق دیکھا جائے تو یہ حقیقت سمجھ میں آ جائے گی کہ زمانۂ قدیم کے عصرِ سحر (Age of Magic) میں جو کام' جنتر منتر' ٹونا ٹوٹکا سے لیا جاتا تھا' وہی کام عصرِ رواں میں سلوگن سے لیا جاتا ہے۔ جنتر منتر یا ٹونے ٹوٹکے ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتے تھے جن کے متعلق یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ اگر تم ان الفاظ کو اس طرح اتنی مرتبہ دہراتے جاؤ گے تو تمہارا دشمن مغلوب ہو جائے گا۔ بعینہٖ یہی پوزیشن ہمارے زمانے میں سلوگن نے لے رکھی ہے اور اب یہی کام ہمارے ہاں اصطلاحات سے لے لیا جاتا ہے۔ پھر جس طرح ایک سلوگن کچھ عرصہ کے بعد' کثرتِ استعمال سے غیر مؤثر ہو جاتا ہے اسی طرح ہمارے ہاں کی اصطلاحات بھی کچھ عرصہ کے بعد اپنا اثر کھو دیتی ہیں۔ کسی زمانے میں جو اثر' اقامت دین۔ حکومت الٰہیہ۔ اسلامی نظام وغیرہ قسم کی اصطلاحات پیدا کیا کرتی تھیں' اب یہ اس قسم کا اثر پیدا نہیں کرتیں۔ اس بنا پر ضرورت تھی کہ ایک نئی اصطلاح وضع کی جائے اور وہ اصطلاح ہے ''نظامِ مصطفیٰ ﷺ'' چونکہ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کا تعلق ہمارے نہایت گہرے قلبی جذبات سے ہے' اس لئے یہ اصطلاح' سابقہ اصطلاحات کے مقابلہ میں' عوام کے لئے زیادہ مؤثر اور پرکشش رہی لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس اصطلاح کو بھی مبہم رکھا گیا۔ اس لئے کہ سنت رسول اللہ ﷺ کی طرح ہر فرقہ کا نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا تصور اپنا اپنا ہے۔

مختلف فرقوں کے علماء تو ایک طرف' خود حنفیوں میں بریلوی اور دیوبندی حضرات کے نزدیک اس کا مفہوم الگ الگ ہے۔ ان ہنگاموں میں' بریلوی فرقہ کی نمائندگی مولانا نورانی کر رہے تھے اور دیوبندی فرقہ کی مفتی محمود صاحب اور ان دونوں میں ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' تو ایک طرف ''مقام مصطفیٰ ﷺ'' تک میں شدید اختلاف تھا۔ لہٰذا ان کی سیاسی مصلحت کا تقاضا تھا کہ اس اصطلاح (نظام مصطفیٰ ﷺ) کو مبہم رکھا جائے..... اس کا کوئی ایسا مفہوم پیش ہی نہیں کیا جا سکتا جسے تمام فرقوں کے علماء متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ اس کی وضاحت کا تقاضا کیا جائے تو اسے بلند آہنگ الفاظ کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کی جائے۔۔۔ مثلاً ''نوائے وقت'' میں اس عنوان پر کہ ''نظام مصطفیٰ ﷺ کیا ہے''۔۔۔ دو مبسوط مقالات شائع ہوئے۔ ایک مقالہ میں کہا گیا کہ نظام مصطفیٰ ﷺ:

اخلاقی لحاظ سے نظامِ مساوات۔۔ سیاسی لحاظ سے نظامِ حفاظت و عدل۔۔ معاشی لحاظ سے نظامِ عدل و کفالت۔۔ روحانی لحاظ سے نظام ذکر و فکر اور للّٰہیت۔۔ معاشرتی لحاظ سے نظامِ اخوت ہے۔ (نوائے وقت۔ ۲۹ جولائی ۱۹۷۷ء)۔

دوسرے مقالہ میں کہا گیا۔۔۔نظامِ مصطفیٰ ﷺ کیا ہے؟

کائنات گیر علم۔۔ یزداں شعار عبادت۔۔ پاکیزہ اخلاق۔۔عظیم سیاست۔۔علم خوفِ خدا کا سبب' اور خوفِ خدا دانش کی انتہا۔(نوائے وقت' ۵ اگست ۱۹۷۷ء)۔

اس قسم کے ہیں حریر و اطلس کے وہ نرم و نازک پردے جن میں اس مصلحت (یا حکمت عملی) کو چھپایا جاتا ہے کہ اس نظام کا متعین مفہوم عوام کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔۔کیونکہ اس کی وضاحت سے اس دعویٰ کا پردہ چاک ہو جاتا ہے کہ اس مطالبہ میں تمام فرقوں کے نمائندے متفق ہیں۔ان میں کوئی اختلاف نہیں۔۔۔یہ کتمانِ حقیقت کی اسی قسم کی سعیٔ ناکام ہے جس کی مثال پہلے بھی ہمارے سامنے آ چکی ہے۔ 1951ء میں مختلف فرقوں پر مشتمل اکیس علماء نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ مملکت کا ضابطۂ قوانین ''کتاب وسنت'' کے مطابق مرتب کیا جائے گا اور اس کے بیس برس بعد ''متفقہ مطالبہ'' کا پردہ خود ان ہاتھوں کو' جنہوں نے یہ پردہ لٹکایا تھا' یہ کہہ کر اٹھانا پڑا کہ:

کتاب وسنت کی رو سے پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں کیا جا سکتا جسے مختلف فرقے متفق طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔(مودودی صاحب)۔

اس سے' اکتیس علماء کے اس مطالبہ کا بھانڈا پھوٹ گیا جسے وہ 1951ء سے متفقہ طور پر اسلامی کہہ کر پیش کرتے چلے آ رہے تھے۔

تحریک پاکستان کی بنیاد دو اصولوں پر استوار تھی۔ (1) دو قومی نظریہ اور (2) نظریۂ پاکستان یعنی اسلام کی بنیادوں پر ایک آزاد مملکت کا قیام۔ ہندو (اور ان کی ہمنوائی میں دنیا بھر کی دیگر اقوام) کہتے تھے کہ ان بنیادوں پر کوئی مملکت استوار نہیں ہو سکتی۔وہ زمانہ لد گیا جب مذہب کی بنیاد پر سلطنتیں قائم کی جایا کرتی تھیں۔اب ایسا نہیں ہو سکتا۔

سقوط ڈھاکہ کے المیہ پر ہندو' اور ان کے ہم نواؤں نے' ببانگِ دہل اعلانات کئے کہ دیکھا ناں! جو کچھ ہم کہتے تھے وہ کس طرح سچ ثابت ہوا۔دو قومی نظریہ کس طرح ناکام رہا؟ اور اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ جس طرح دو قومی نظریہ ناکام ثابت ہوا ہے' تم دیکھو گے کہ تمہارا دوسرا نظریہ' یعنی مذہب کی بنیادوں پر مملکت کی تشکیل۔۔بھی اسی طرح ناکام ثابت ہوگا۔

یہ اسی روزِ بد کا لرزہ انگیز احساس ہے جو ہمیں ان حضرات کی خدمت میں گذارش کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ اگر آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس کا نتیجہ مملکت کا استحکام اور اسلام کا احیاء ہوگا' تو آپ جس قدر جلد اس غلط فہمی کو دور کر دیں گے اتنا ہی اچھا ہوگا۔آپ کی موجودہ روش سے مملکت کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں گی اور اسلام

دنیا کی نظروں میں اضحوکہ بن جائے گا۔ اگر آپ فی الواقعہ اسلام کا احیاء چاہتے ہیں تو پہلے یہ طے کر لیجئے کہ اگر قانون سازی کے اختیارات آپ کے ہاتھ میں آ گئے تو آپ وہ ضابطہ حیات کس طرح مرتب کریں گے جو آپ سب کے نزدیک متفقہ طور پر اسلامی قرار پائے۔

اگر یہ حضرات ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہوں، تو ہم قوم سے بزور گذارش کریں گے کہ وہ آنکھیں بند کر کے ان کے سلوگنوں کے پیچھے بھاگنے کے بجائے، ان سے مطالبہ کرے کہ وہ اس سوال کا واضح الفاظ میں جواب دیں۔

اس سوال کا جواب کچھ بھی مشکل نہیں۔ اسے غور سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

(1) جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، نظام مصطفیٰ ﷺ (اسلامی نظام) کے مدعی مختلف فرقوں سے متعلق ہیں۔ ان میں، ہر فرقہ کی فقہ (ضابطۂ قوانین) الگ الگ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تک یہ حضرات اپنی اپنی فقہ کو غیر متبدل اسلامی شریعت قرار دیتے رہیں گے، کوئی ایسا ضابطۂ قوانین مرتب نہیں ہو سکے گا جسے یہ سب اسلامی تسلیم کر لیں۔ ان کے باہمی اختلافات کی شدت کا یہ عالم ہے کہ ان میں سے ہر فرقہ نے دوسرے فرقوں کے خلاف کفر کے فتوے لگا رکھے ہیں۔

(2) ان سب میں صرف ایک چیز مشترک ہے اور وہ ہے قرآن مجید۔ لہٰذا، ان کے ایک نقطہ پر جمع ہونے کا، اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ یہ اپنی اپنی فقہ سے صرف نظر کر کے، قرآن مجید کو ضابطۂ قوانین کی بنیاد قرار دیں اور اسے قولِ فیصل اور حرفِ آخر تسلیم کریں۔

(3) قرآن کریم سلوگن نہیں دیتا۔ وہ ہر بات کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ **تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ (16:89)**۔ اس کا دعویٰ ہے۔ یعنی ہر بات کو نکھار اور ابھار کر بیان کرنے والی کتاب۔

(4) اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ اس نے اپنے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہی یہ دی ہے۔ **وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا (4:82)**۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بکثرت اختلافات پاتے۔ لہٰذا قرآن مجید کو قدر مشترک تسلیم کر لینے کے بعد کوئی اختلاف باقی نہیں رہ سکتا۔

(5) **الـــدیـــن.** یعنی نظام خداوندی۔ کے معنی ہیں خدا کو حاکم یا حَکَم (ہر معاملہ میں فیصلہ دینے والا) تسلیم کرنا۔ **ان الحکم الا لله.** حکم صرف خدا کا واجب الاطاعت ہے۔۔۔ **امر الا تعبدوا الا ایاہ.** اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی محکومیت (اطاعت) اختیار نہ کرو۔

(6) خدا کو حاکم یا حَکَم تسلیم کرنے کا عملی طریق اس کی کتاب کو حَکَم تسلیم کرنا ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے

قرآن کریم میں اعلان کرایا گیا کہ)أَفَغَيْرَ اللّهِ أَبْتَغِيْ حَكَماً وَهُوَ الَّذِيْ أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلاً (6:114)- کیا میں خدا کے سوا کسی اور کو حَکم تسلیم کروں' درآں حالیکہ اس نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کر دی ہے جو تمام معاملات کو نکھار کر بیان کر دیتی ہے۔۔۔اس کے معنی یہ ہیں کہ کتاب اللہ کو حَکم ماننے سے خدا کو حَکم مانا جاتا ہے۔

(7) یہی کتاب کفر اور اسلام میں حدِ امتیاز ہے۔وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (5:44)- جو کتاب خداوندی کو حَکم تسلیم نہیں کرتا' تو ایسے ہی لوگوں کو کافر کہا جاتا ہے۔

(8) خود رسول اللہ ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ:

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ (5:48)-

اے رسول! تو ان میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کیا کرو۔

(9) یہی دین اللہ ہے۔(3:82)-اسی کا نام الاسلام ہے۔یعنی کتاب اللہ کو حَکم تسلیم کرنا۔وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ (3:85)- جو شخص اس کے سوا کوئی اور دین (نظام) اختیار کرے گا' تو بارگاہ خداوندی میں اسے شرف قبولیت حاصل نہیں ہوگا۔وہ مردود قرار پائے گا۔

واضح رہے کہ چونکہ خدا نے اسلام کو دین اللہ کہا ہے اس لئے اس کا ترجمہ دین خداوندی ہی کرنا چاہئے خدا کے رسول' دین اللہ کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔خود کوئی دین وضع نہیں کرتے تھے۔

(10) سوال پیدا ہوگا کہ اس کی پہچان کیا ہوگی کہ ہم میں دین اللہ (یا نظام خداوندی) قائم ہے یا نہیں؟ اس کی اولین پہچان یہ ہے کہ جس قوم میں دین اللہ قائم ہو اس میں مذہبی فرقے نہیں رہ سکتے۔جہاں مذہبی فرقے ہوں گے نہ وہاں دین اللہ (نظام خداوندی) ہو گا اور نہ ہی ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا کوئی تعلق۔اس باب میں خدا کا ارشاد نہایت واضح ہے کہ:۔

إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُواْ دِيْنَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (6:160)-

جو لوگ دین میں تفرقہ پیدا کر دیں اور خود بھی ایک گروہ بن کر بیٹھ جائیں۔اے رسول! تیرا ان لوگوں سے کوئی تعلق واسطہ نہیں رہے گا۔

جو لوگ فرقوں پر قائم رہتے ہوئے ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' کے مدعی ہیں' انہیں اس ارشادِ خداوندی پر غور کرنا چاہئے۔جب (فرمانِ خداوندی کی رو سے) مصطفیٰ ﷺ کا ان سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا' تو انہیں ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' کے دعوے دار ہونے کا حق کس طرح پہنچ سکتا ہے؟

ملک میں جو لوگ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہماری ان سے گذارش ہے کہ وہ ان ارشاداتِ خداوندی پر غور کریں اور سوچیں کہ مختلف فرقوں کے نمائندوں کا یہ دعویٰ کہ وہ ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' (یا اسلامی نظام) قائم کریں گے، کس طرح حق پر مبنی ہوسکتا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہوچکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورۃ النمل	(27)	280	225/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ القصص	(28)	334	250/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	350/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	275/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	350/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	350/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسین	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	325/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	325/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-				
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	264	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	454	325/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

مقصُودِ اقبالؒ

اسد ملتانی

یہ اشعار مجلس مرکزیہ یوم اقبالؒ لاہور کے منعقد کردہ ''یوم اقبال'' مورخہ 10 اپریل 1939ء کے لئے لکھے گئے۔ یہ محض تخیل پر مبنی نہیں ہیں بلکہ ان میں ایک سچے واقعہ کو شاعرانہ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔

کہا اقبالؒ سے اک ہمنشیں نے
سخن تیرا شرابِ آتشیں ہے
کچھ اس انداز سے گرما دیے دِل
کہ اب تسکین ممکن ہی نہیں ہے
حرارت ہے ترے سوزِ نوا کی
کہ بجلی سی دلوں میں جاگزیں ہے
کلامِ شاعراں پروردۂ عصر
مگر تیرا سخن عصر آفریں ہے
اثر میں ہے یہ صُورِ محشر انگیز
کشش میں نغمۂ خُلد بریں ہے
بدل ڈالا مذاق اس نے ہمارا
دل اب طرزِ کہن پر نکتہ چیں ہے

ترے اشعار پڑھ کر اب نظر میں
کسی کی شاعری جچتی نہیں ہے

یہ سُن کر حضرتِ اقبالؒ بولے
فقط لطفِ سخن کافی نہیں ہے
زمینِ شعر ہی میں گم نہ ہو جا
فلک وہ ڈھونڈ جس کی یہ زمیں ہے
مرے فکرِ فلک پیما کی پرواز
ادب پروردۂ روحُ الامیں ہے
فروغِ عشق و سوزِ آرزو سے
سخن میرا تب و تاب آفریں ہے
مگر میرے سخن کی روشنی بھی
''چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے''
میرے اشعار میں پھنس کر نہ رہ جا
اگر تو سالکِ راہِ یقیں ہے
تری نظروں میں ہیں میری تصانیف
مری نظروں میں قرآنِ مُبین ہے
گذر جانا مری بزم سخن سے
رہِ قرآں میں گامِ اولیں ہے
جو تو اس طرح قرآں تک پہنچ جائے
تو حاصلِ دولتِ دنیا و دیں ہے

محیطِ کائناتِ دل ہے قرآں
نظر کی آخری منزل ہے قرآں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

21 اپریل

بیادِ اقبالؒ

اس سال، یہ حسنِ اتفاق موجبِ صد یمن وسعادت ہے کہ ایک طرف بہار کا موسم ہے جس میں، ہر شاخِ خزاں دیدہ سے حیات تازہ انگڑائیاں لیتی ہوئی ابھرتی ہے اور دوسری طرف اس کے ساتھ ہی، اپریل کا مہینہ ہے جس میں، وہ نغمہ خوانِ سرودِ ازلی جو عمر بھر پیغامِ محمدی ﷺ کی نشیدِ جانفزا سے ملت کے جسدِ بے جان میں تازہ روح پھونکتا رہا، آنسوئے افلاک چلا گیا۔

ہم نے جب 21 اپریل کی یاد میں کچھ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تو ہمارے ذہن میں فوراً وہ نقوش ابھرے جو ہم نے آج سے کافی سال پہلے، اسی تقریب کے سلسلہ میں، ان صفحات پر ثبت کئے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ جو کچھ ہم نے اس وقت لکھا تھا، وہ اتنی مدت دراز گذرنے کے بعد بھی اسی طرح تر و تازہ ہے اور چونکہ وہ اقبالؒ کے پیغام کی برجستہ ترجمانی کرتا ہے۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ انہی افکار سے اس پیغامِ برِ انقلاب کی یاد تازہ کرائی جائے۔

اور وہ افکار یہ تھے۔

☆☆☆

یوں تو قصصِ قرآنی کا ہر ٹکڑا عبرت و موعظت کی ہزار داستانیں اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے اور جوں جوں نگہ دور رس غور و تدبر سے ان کی گہرائیوں تک پہنچتی ہے، ان کے حقائق و رموز زمانہ کی پیچ در پیچ لہروں کی طرح خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں لیکن ان قصص میں داستانِ بنی اسرائیل کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس میں قوموں کے عروج و زوال کے اصول و مبادی اس جامعیت سے سمٹا کر رکھ دیئے گئے ہیں کہ وہ بصائر و حکم کی ایک مستقل دنیا بن گئی ہے۔ فسادِ آدمیت کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے، تین گوشے نمایاں طور پر ابھرے ہوئے نظر آئیں گے۔ استبداد حکومت کی سرکش طغیانیاں، برہمنیت کی خواب آور و فسوں خیز فریب کاریاں اور سرمایہ کاری کی پرسکون خون آشامیاں۔ ان میں سے ہر ایک فتنہ بجائے خویش انسانیت کا گلا گھونٹ دینے کے لئے کافی ہے لیکن ذرا سوچئے کہ جس دور میں بیک وقت سطحِ ارض پر سبعیت و بربریت کے ایسے ہولناک عفریت، فضا میں تباہی و بربادی کے ایسے ہلاکت انگیز جراثیم اور دریا کی سکون انگیز روانیوں کے نیچے ایسے خوفناک نہنگ و اژدر موجود ہوں، وہاں خدا کی مخلوق پر کیا قیامت گذری ہوگی؟ تاریخ مصر کا یہی دور تھا جس کا تذکرہ قرآن کریم میں اس شرح و بسط سے آیا ہے۔ فرعون، استبدادِ ملوکیت کا مجسمہ، ہامان، برہمنیت کی ابلیسانہ روباہ بازیوں کا پیکر اور قارون، سرمایہ داری کی لعنت کا سب سے بڑا

نمائندہ۔ تینوں یکجا اور ان کے آہنی پنجے میں (بنی اسرائیل کی شکل میں) تڑپتی، پھڑکتی، بلبلاتی انسانیت۔ حضرات انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کے جور و استبداد سے چھڑا کر براہ راست اللہ کے قانون کی اطاعت میں لے آئیں۔ (برقِ طور)۔

انسانیت کی پوری تاریخ پر غور کیجئے جس زمانہ میں، جس قوم میں اور جس ملک میں فساد دکھائی دے، تحقیق کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ اس فساد انگیزی میں انہی تین عناصر کا ہاتھ کارفرما تھا۔ ملوکیت، سرمایہ داری اور ملائیت (Priest Hood) زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ یہ ابالیس اپنے پیکر بدلتے رہیں گے لیکن روح ہر جگہ اور ہمیشہ وہی رہے گی۔ اگر قرآن پر بہ نگاہِ تعمق غور کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جائے گی کہ حضرات انبیاء کرام کی دعوت ہمیشہ انہی فساد انگیز عناصر کے خلاف، دعوتِ انقلاب ہوتی تھی۔ وہ لوگوں کو قانونِ خداوندی کے مرکز پر جمع کرتے تا کہ ملوکیت، سرمایہ داری اور ملائیت کے تختوں کو الٹ دیا جائے۔ وہ اس انقلابی کوشش میں ہوتے اور ان کے خلاف یہی قوتیں سر جوڑ کر اٹھ کھڑی ہوتیں تا کہ مظلوم انسانیت ان کے پنجۂ استبداد سے نکلنے نہ پائے۔ امم سابقہ کی داستانیں جو قرآن میں مذکور ہیں اسی کشمکش کی سرگذشت ہیں۔ قرآن خدا کا آخری ضابطہ حیات تھا اور نبی اکرم ﷺ خدا کے آخری پیغمبر۔ اس لئے قرآن کریم کے ذریعہ، نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں اس کشمکش کو اس کے آخری مراحل تک پہنچا دیا گیا۔ ملوکیت، سرمایہ داری اور ملائیت کی ایک ایک قوت کو پاش پاش کر دیا گیا اور انسانیت کو اس سچی آزادی اور صحیح حریت سے آشنا کرا دیا گیا جو ضابطۂ خداوندی کا منشاء و مقصود تھا۔ یہی تھے وہ سلاسل و اغلال جنہیں توڑنے کے لئے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تھے۔ (**ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم**) آپ نے ان تمام زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ جن میں انسانیت جکڑی چلی آ رہی تھی۔

نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست
نقش ہائے کاہن و پاپا شکست

لیکن یہ دور بہت تھوڑے عرصہ تک قائم رہا۔ اس کے بعد خود مسلمانوں نے ان زنجیروں کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو اپنی مژگانِ عقیدت سے ایک ایک کر کے چنا اور اس طرح اپنے گلے میں ڈال لیا کہ پھر کوئی طاقت انہیں توڑ نہ سکے۔ آسمان کی آنکھ اس تماشہ کو دیکھ کر رو رہی تھی کہ اس قوم کو کیا ہو گیا کہ

خود طلسم قیصر و کسریٰ شکست
خود سر تختِ ملوکیت نشست

جب ہم اپنی تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو فرطِ حیرت سے انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ مسلمان اس (غیرت قرآنی تو ایک طرف) غیر انسانی زندگی کا اس درجہ خوگر ہو گیا کہ اسے قفس کو چھوڑ کر آشیانہ کی زندگی موت نظر آنے لگی۔ مؤرخین اس حیرت انگیز انقلاب کے اسباب و علل تلاش کرتے ہیں لیکن اس کے اسباب تو بالکل نمایاں ہیں۔ مفاد پرست گروہ نے اقتدار کی کرسیوں اور رزق کے سرچشموں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ملائیت نے ابلیسانہ نظام کو عینِ اسلام بنانے کے لئے سندات مہیا کر دیں۔ وہ ان کے وظیفے مقرر کر دیتے

تھے اور یہ منبروں پر کھڑے ہو کر اپنے خطبات میں انہیں ظل اللہ قرار دے کر ان کی سلامتی کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ یہ وہی فرعون و قارون و ہامان کی ملی بھگت تھی جس کا ذکر شروع کے اقتباس میں کیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ کے ایسے بندے بھی پیدا ہوتے رہے ہوں جنہوں نے اس کے خلاف آواز بلند کی ہو لیکن جیسا کہ ہر استبدادی قوت کیا کرتی ہے' ان کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ ان کی آواز کو دبا دیا گیا اور ان کے آثار تک کو مٹا دیا گیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ آج ہمارے ہاں ملوکیت اور ملائیت کی تاریخ تو پوری کی پوری موجود ہے لیکن اس کے خلاف آواز اٹھانے والوں کا ذکر تک کہیں نہیں ملتا۔ بجز اس کے کہ کہیں ادھر ادھر' یہاں وہاں' کوئی بکھری ہوئی پنکھڑی' مسلی ہوئی مل جائے۔ اس سارے طوفانِ بلا میں اگر کوئی امید کا سہارا تھا تو یہ کہ خدا کی کتاب (غلافوں میں لپٹی ہوئی سہی) محفوظ چلی آ رہی تھی۔

یہی تھی خدا کی وہ کتاب جس پر ہمارے دور کے ایک مردِ مسلمان (علامہ اقبالؒ) نے اپنے نالۂ سحری اور گریۂ نیم شبی کے ساتھ غور و فکر کیا۔ تاریخِ عالم کے اوراق' قوموں کے عروج و زوال کے اسباب اور عصرِ حاضر کے علوم و فنون تک میں اسے پوری پوری دسترس تھی۔ وہ اس سرمایہ کو لے کر قرآن کی گہرائیوں میں اترا اور وہاں سے اس حقیقت کو پا کر باہر آیا کہ مسلمان کی یہ حالت کیوں ہو گئی۔ یہ وہی حقیقت تھی جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس نے کھلے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ مسلمان کی یہ حالت اس لئے ہوئی ہے کہ

چار مرگ اندر پئے ایں دیر میر
سود خوار و والی و ملا و پیر

اس نے مسلمان سے برملا کہہ دیا کہ

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

اس نے اپنی تمام عمر' فسادِ آدمیت کے انہی گوشوں کے خلاف جہاد میں بسر کر دی اور اسی غم میں سسکیاں لیتے 21 اپریل 1938ء کو یہاں سے چل دیا اور اب عالمگیر کی مسجد کے زیرِ سایۂ دیوار' آسودۂ خواب ہے۔

آسماں اس کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اس نے مسلمان کو بتایا کہ ملوکیت کا فتنہ کس قدر غارت گر دین و دانش ہے اور اس کے ماتحت کس طرح انسانی سیرتیں مسخ ہو جاتی ہیں۔ اس نے کہا کہ

از ملوکیت نگہ گردد دِگر
عقل و ہوش و رسم و رہ گر دد دگر

اس نے کہا کہ جس جگہ ملوکیت ہو' وہاں حق کا جھنڈا کبھی بلند نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مسلمانوں کو کبھی اپنے آپ کو اس فریب میں نہیں رکھنا چاہئے کہ ہماری سلطنتیں اسلام کی سلطنتیں تھیں اور ان کا نظام قرآن کا نظام تھا۔ اس نے کہا کہ

رأیت حق از ملوک آمد نگوں
قریہ ہا از دخلِ شاں خوار و زبوں

ارمغانِ حجاز میں اقبالؒ نے خلافت اور ملوکیت کے فرق کو ایک قطعہ میں اپنے دلکش انداز میں واضح کر دیا ہے جہاں کہا ہے کہ

خلافت بر مقامِ ما گواہی است
حرام است آنچہ برما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ
خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی است

''حفظِ ناموسِ الٰہی'' کے معنی یہ ہیں کہ خلافت' ضابطۂ خداوندی' یعنی قرآنی نظام کی عملی تشکیل کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اس طرح اس کے ہاتھوں دنیا میں ناموسِ خداوندی کا تحفظ ہو جاتا ہے۔ اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ملوکیت کے معنی صرف اسی قدر نہیں کہ باپ کے بعد بیٹا وارث تخت و تاج ہو جاتا ہے۔ قرآن (اور اقبالؒ) کے نزدیک ملوکیت ہر اس نظام کا نام ہے جس میں غیر قرآنی قوانین رائج ہوں۔ خواہ اس کی شکل پادشاہی کی ہو یا جمہوریت کی۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

دنیا نے' زمانے کے تقاضوں سے مجبور ہو کر (کہ جو درحقیقت خدا کے کائناتی قانون کے تقاضے ہیں) اتنی چیز کو تو تسلیم کر لیا ہے کہ باپ کے بعد بیٹا وارثِ تخت و تاج نہیں ہو سکتا لیکن چونکہ ان کے پاس خدا کا ضابطۂ قوانین نہیں ہے اس لئے ان کی حالت اب بھی یہ ہے کہ

رست از یک بند تا افتاد در بندِ دگر

وہ اب یہ سمجھتے ہیں کہ انسانوں کی ایک جماعت (اکثریت) کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جس قسم کے قوانین چاہے مرتب کر لے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ برسرِ اقتدار طبقہ اس قسم کے قوانین وضع کرتا رہتا ہے جن سے دولت کے سرچشمے ان کے ہاتھ میں رہتے ہیں اور وہ اس سرمایہ داری سے وہ کچھ کرتے ہیں جو کچھ ایک شخصی حکومت میں ایک بادشاہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے برعکس' قرآن جہاں ملوکیت کو ختم کرتا ہے وہاں سرمایہ داری کو بھی فنا کر دیتا ہے۔ بقول اقبالؒ

چیست قرآں خواجہ را پیغامِ مرگ
دست گیر بندۂ بے ساز و برگ
ہیچ خیر از مردگ زرکش مجو
لن تنالوا البر حتی تنفقوا

حاصلِ آئین و دستورِ ملوک
دِہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک

یہی وجہ ہے کہ قرآن جہاں جمع کردہ دولت کو جہنم کا ایندھن قرار دے کر آئینِ سرمایہ داری کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے، وہاں وہ یہ حکم دے کر کہ وسائل پیداوار (ارض) کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں دیئے جا سکتے، زمینداری یا جاگیرداری کے نظامِ کہن پر بھی خطِ تنسیخ کھینچ دیتا ہے۔ یہی ہے وہ حقیقت جس کا قبالؒ نے بار بار اعلان کیا ہے کہ

حق زمین را جز متاعِ مانگفت
ایں متاعِ بے بہا مفت است مفت
دِہ خدایا نکتۂ از من پذیر
رزق و گور از وَے بگیر اُورا مگیر!

حتیٰ کہ اس نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ

باطن ''الارض للّٰہ'' ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

ذرا آگے چل کر اسی (جاوید نامہ) میں کہتے ہیں کہ

رزقِ خود را از زمیں بُردن رواست
ایں متاعِ بندہ و ملکِ خداست
ارضِ حق را ارض خود دانی بگو
چیست شرحِ آیۂ لا تفسدوا
ابن آدم دل بہ ابلیسی نہاد
من زابلیسی نہ دیدم جُز فساد

اس مقام پر انہوں نے پھر اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ خلافت اور سلطنت میں یہی فرق نہیں کہ خلیفہ منتخب ہوتا ہے اور سلطان اپنی سلطنت کو وراثت میں پاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اصل فرق یہ ہے کہ

مجلسِ ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

لیکن اقبالؒ کی بصیرتِ قرآنی نے اس حقیقت کو بھی بھانپ لیا تھا کہ ملوکیت، سرمایہ داری، زمینداری کی لعنتیں جس قوت کے سہارے پنپتی اور پروان چڑھتی ہیں وہ ملائیت کی بنیادی لعنت ہے۔ ہر شخص جو ذرا عقل و فکر سے کام لے، بآسانی محسوس کر لیتا ہے کہ ملوکیت سرمایہ داری اور زمینداری یکسر غیر فطری نظامِ زندگی ہیں۔ لیکن جب مُلّا اسے یہ بتاتا ہے کہ یہ سب کچھ ''خدا اور رسول ﷺ'' کے حکم کے

مطابق ہے اوران سے انکار کرنے والا خدا کا سرکش اور ذاتِ رسالت ﷺ کا منکر' تو وہ بیچارہ خاموش ہو جاتا ہے۔اس کے بعد مُلّا آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ

شریعت میں عقل کا کوئی دخل نہیں۔اگر کسی کے دل میں ''خدا اور رسول ﷺ'' کا حکم سننے کے بعد ذرا سا شک وشبہ بھی پیدا ہو جائے تو وہ سیدھا جہنم میں جا گرتا ہے۔اس پر بیچارہ سادہ لوح مسلمان کانپ اٹھتا ہے اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتا ہے کہ دین کی مصلحتیں خدا اور اس کا رسول ﷺ ہی جان سکتے ہیں' ہمارا کام ایمان لانا ہے اور بس۔حالانکہ جس چیز کو مُلّا خدا اور رسول ﷺ کے احکام بتا کر پیش کرتا ہے وہ اسی نظامِ سرمایہ داری کے وضع کردہ آئین ہوتے ہیں۔وہ ان سے انکار کرنے والوں پر ''منکرینِ حدیث'' کا لیبل لگا کر انہیں گلی کوچے میں بدنام کرتا رہتا ہے کہ یہ ایک ''نیا اسلام'' لے کر آ گئے ہیں یہ خدا کے احکام کے نافرماں بردار ہیں۔یہ رسول ﷺ کی شانِ رسالت کے منکر ہیں۔یہ اسلاف کی بے حرمتی کرتے ہیں۔حالانکہ وہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ملوکیت اور سرمایہ داری کے زمانے کے پیدا کردہ احکام' خدا اور رسول ﷺ کے احکام نہیں ہو سکتے۔لیکن مُلّا کا تو منصب ہی یہ ہے کہ وہ انہی احکام کو خدا و رسول ﷺ کے احکام بتا کر عوام کو فریب میں رکھے۔یہ ہے وہ سب سے بڑا سحر جس کے سہارے ملوکیت اور سرمایہ داری کا نظام قائم رہتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان ''علمبردارانِ مذہب وشریعت'' کی اس شدت سے مخالفت کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اقبالؒ بھی عمر بھر اسی فتنۂ ملتِ بیضا کے خلاف جہاد کرتا رہا۔کہیں اس نے کہا کہ

متاعِ شیخ اساطیر کہن بود
حدیثِ اُوہمہ تخمین و ظن بود
ہنوز اسلامِ اُو زنار دار است
حرم چوں دیر بود او برہمن بود

کتنی بڑی حقیقت ہے جسے ان سادہ اور مختصر سے الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جس چیز کا نام مُلّا نے خدا اور رسول ﷺ کا حکم رکھ چھوڑا ہے وہ درحقیقت اس کا خود ساختہ مذہب ہے جسے اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔اس کا عجمی اسلام زنار پوش ہے اور یہ اس اسلام کا برہمن۔اسے کچھ معلوم نہیں کہ حقیقی اسلام کیا ہے۔

بیا ساقی بگرداں ساتگیں را
بیفشاں برد وگیتی آستیں را
حقیقت رابہ رندے فاش کروند
کہ مُلّا کم شناسد رمزِ دیں را

وہ کہتا ہے کہ قرآن تو اپنے الفاظ میں محفوظ ہے لیکن مُلّا اس قرآن کی تفسیر اپنے خود ساختہ تصورات کے مطابق کرتا ہے اور اس طرح قرآن' قرآن نہیں رہتا بلکہ عجمی مجوسیوں کی کتاب بن جاتا ہے۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پازند

اسی حقیقت کو وہ ''ارمغانِ حجاز'' میں اس انداز میں بیان کرتا ہے کہ

زمن بر صوفی و مُلّا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت
خداؤ جبرئیل و مصطفیٰ ﷺ را

یعنی مُلّا قرآن کے الفاظ تو وہی دہراتا ہے جنہیں خدا تعالیٰ نے بھیجا' جبرئیلؑ لایا اور رسول اللہ ﷺ نے لوگوں تک پہنچایا لیکن اس قرآن کا جو مفہوم بتاتا ہے اسے دیکھ کر خدا' جبرئیلؑ اور محمد ﷺ تینوں محوِ حیرت رہ جاتے ہیں کہ یہ کون سا قرآن ہے جسے اس طرح بیان کیا جا رہا ہے۔ مُلّا کا یہی وہ خود ساختہ مذہب ہے جس نے مسلمانوں جیسی ہمہ تن برق قوم کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہی ہے وہ حقیقت جس کے احساس سے اقبالؒ کہتا ہے کہ

مکتب و مُلا سخنہا ساختند
مومناں ایں نکتہ را نشناختند
زندہ قومے بود از تاویلِ مُرد
آتشِ اودر ضمیرِ اُو فسُرد

بظاہر مُلّا کی باتیں سنئے تو ایسا نظر آئے گا کہ دین کی حفاظت کا درد اسے کھائے جا رہا ہے لیکن اگر اس کے دل کو ٹٹول کر دیکھئے تو اس میں سوائے مصلحت بینی اور مفاد پرستی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ خدا' رسول ﷺ' قرآن' احادیث' اسلاف' مذہب' شریعت' وہ مقدس اور حسین نقاب ہیں جن کی اوٹ میں اپنی مفاد پرستیوں کو آگے بڑھاتا رہتا ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

دلِ مُلّا گرفتارِ غمے نیست
نگاہے ہست در چشمش نمے نیست
ازاں بگریختم از مکتبِ اُو
کہ در ریگِ حجازش زمزمے نیست

اس کی مفاد پرستیوں کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ملت کو کبھی ایک نقطہ پر جمع نہ ہونے دے۔ فرقہ بندی (کہ جسے قرآن نے بہ نصِ صریح شرک قرار دیا ہے) اس کے اسلام کی اصل و بنیاد ہے۔ فرقہ بندی کی نفسیات یہ ہیں کہ اپنے فرقہ کے لوگوں کے دل میں دوسروں کی طرف سے نفرت پیدا کی جائے۔ جس قدر نفرت شدید ہوگی اتنا ہی وہ فرقہ زیادہ مضبوط ہوگا۔ ملّا کی ساری عمر نفرت کے جذبات کو ہوا دینے میں گذر جاتی ہے۔

سرِ منبر کلامش نیش دار است
کہ اوراصد کتاب اندر کِنار است

حضورِ تو من از خجلت نہ گفتم
زخود پنہاں و برما آشکار است

اسی حقیقت کو اقبالؒ نے جاوید نامہ میں سعید حلیم پاشا کی زبان سے یوں بیان کیا ہے۔

دینِ حق از کافری رسوا تر است
زانکہ ملا مومنِ کافر گر است
شبنمِ مادر نگاہِ مایم است
از نگاہِ اُویم ما شبنم است

اس دوسرے شعر پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ کیا مُلّا کی ساری عمر اسی ''جہاد'' میں نہیں گذر جاتی کہ وہ اپنے اور اپنے حواریوں کے سوا سارے مسلمانوں کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھے' ان کی ہنسی اڑائے' انہیں ذلیل سمجھے اور اپنے آپ کو ''صالحین'' میں شمار کرے۔ ان کے متعلق وہ یہاں تک بھی کہہ دے کہ:

ان کے برائے نام مسلمان رہنے سے اسلام کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے۔ (تنقیحات۔ ابوالاعلیٰ مودودی' ص173)

مسلمانوں کے متعلق یہ کچھ اس وقت کہا جا رہا تھا جب ہندوستان میں مسلمان موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ہندو کی پوری کوشش تھی کہ سارے ہندوستان پر اپنا قبضہ جما کر مسلمان کے جداگانہ تشخص کو ختم کر دے۔ اس کے برعکس' تحریکِ پاکستان کے حامیوں کی کوشش تھی کہ ایک جداگانہ خطۂ زمین مل جائے جو مسلمانوں کے تحفظ کا ذریعہ بن جائے۔ عین اس کشمکش کے زمانے میں مُلّا کی طرف سے یہ آوازیں بلند ہو رہی تھیں کہ یہ تحریک سراسر خلافِ اسلام ہے۔ ''مردم شماری کے رجسٹر کا یہ پیدائشی مسلمان'' باقی رہے یا مٹ جائے' اس سے اسلام کا کچھ نہیں بگڑتا۔ یہ تھے وہ تأثرات جن کے ماتحت اُس مردِ مومن نے باچشمِ نم کہا تھا کہ

شبنم ما درنگاہِ مایم است
از نگاہِ اُویم ما شبنم است

اس کے بعد اقبالؒ سعید حلیم پاشا کی زبان سے کہتا ہے کہ

از شگر فیہائے آں قرآں فروش
دیدہ ام روح الامیں را در خروش
زاں سوئے گردوں دِلش بیگانۂ
نزد اُو ام الکتاب افسانۂ

مُلّا کی قرآں فروشی کی داستانوں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں لیکن ماضی میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ آج اپنے سامنے دیکھ لیجئے کہ مُلّا کس جرأت اور بیباکی سے قرآن بیچ رہا ہے۔ غور کیجئے! خود پاکستان میں کتنے ایسے مُلّا ہیں جن کا بظاہر کوئی ذریعۂ معاش

نہیں لیکن جن کے پاس کوٹھیاں ہیں، موٹریں ہیں، ٹیلیفونیں ہیں، عیش وعشرت کے سامان ہیں۔ مُلّا کا گروہ دن رات چلاتا نظر آئے گا کہ حکومت کے کارندے بے ایمان ہیں، بددیانت ہیں، رشوت خوار ہیں، ان کی تنخواہیں قلیل ہیں لیکن ان کے پاس جائیدادیں کثیر ہیں لیکن آپ نے آج تک کبھی کسی مُلّا کو یہ کہتے نہیں سنا ہوگا کہ فلاں مولوی صاحب کو دیکھئے کہ ان کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں (یا اگر ہے تو بہت قلیل ہے) لیکن وہ جائیدادیں بنوا رہے ہیں، ہزاروں روپے ماہانہ کا خرچ ہو رہا ہے۔ ٹھاٹ سے زندگی بسر ہو رہی ہے۔ ذرا معلوم کرنا چاہئے کہ بالآخر یہ روپیہ کہاں سے آ رہا ہے۔ مُلّا کی نگاہ کبھی ان کی طرف نہیں اٹھتی۔ کیوں اُٹھے۔ یہ تو صالحین کا گروہ ہے۔ یہ "**شھدا علی الناس**" کی جماعت ہے۔ ان کا کام دوسروں کے اعمال کی نگرانی ہے، اپنے گروہ کے متعلق لب کشائی نہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حمام میں سب ننگے ہیں۔ یہ مُلّا کے عمل کی کیفیت ہے اور علم کی یہ حقیقت کہ

بے نصیب از حکمتِ دینِ نبی ﷺ
آسمانش تیرہ از بے کوکبی
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد
ملت از قال و اقولش فرد فرد

اس کے بعد وہ دو شعر سنئے جن میں اقبالؒ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیا ہے جب کہا ہے کہ

مکتب و مُلّا و اَسرارِ کتاب
کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب
دینِ کافر فکر و تدبیر جہاد
دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

یہ شعر نہیں، ایک چیخ ہے جو دل کی گہرائیوں سے اُٹھی اور بے ساختہ زبان سے نکل کر آسمان سے جا ٹکراتی ہے۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ اسی عنوان کی تفسیر ہے کہ

''دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد''

یہ تھا حقیقت میں ابلیس کا وہ سب سے زیادہ مؤثر حربہ جو اس نے ملتِ اسلامیہ کے خلاف استعمال کیا۔ اسی حقیقت کو جاوید نامہ میں ابلیس کی زبان سے یوں ادا کیا گیا ہے کہ

نے حدیث ونے کتاب آوردہ ام
جانِ شیریں از فقیہاں بردہ ام
رشتۂ دیں چوں فقیہاں کس نہ رشت
کعبہ را کردند آخر خشت خشت

مُلّا کے اس مسلک فساد انگیزی، نفرت خیزی اور فتنہ جوئی کو اقبالؒ نے ذرا شوخ انداز میں (بال جبریل میں) اس طرح بیان کیا ہے۔

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرتِ مُلّا کو ملا حکمِ بہشت
عرض کی میں نے الٰہی میری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لبِ کشت
نہیں فردوس مقامِ جدل و قال و اقول
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ہے بد آموزیٔ اقوام و مِلل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

اقبالؒ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مُلّا کے اس جذام کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں کہ عوام کو مُلّا کے ہاتھ سے چھڑا لیا جائے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مسلمانوں کے عوام کے دل میں بڑا خلوص ہے اور وہ ہر ممکن قربانی کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اس کے الفاظ میں:

خیر و خوبی برخواص آمد حرام
دیدہ ام صدق و صفا را در عوام

اس نے اسے بھی محسوس کیا کہ عوام بڑے سادہ لوح ہیں اور مُلّا انہیں مذہب کے نام پر ابھار کر اپنی مفاد پرستیوں کا آلۂ کار بنا لیتا ہے۔ یہی تھی وہ حقیقت جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ

شیخِ شہر از رشتۂ تسبیح صد مومن بدام

اس کا علاج اس کے نزدیک اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک خطۂ زمین حاصل کیا جائے جس میں قرآن کے نظام کو از سرِ نو قائم کیا جائے۔ جونہی وہ نظام قائم ہو گیا' ملوکیت' سرمایہ داری اور ملائیت خود بخود فنا ہو جائے گی کہ

ایں صنم تا سجدہ اش کر دی خدا است
چوں یکے اندر قیام آئی فناست

یہ تھا وہ مقصدِ جلیلہ جس کے لئے اس مردِ خدا اندیش نے پاکستان کا تصور دیا۔ یہ خطۂ زمین مل بھی گیا لیکن اس وقت جب اقبالؒ یہاں سے جا چکا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ وہی جذام جسے دور کرنے کے لئے اس نے اس خطۂ زمین کے لئے دعائیں مانگی تھیں' چاروں طرف سے امنڈ کر اسی خطۂ زمین میں جمع ہو گیا اور آج حالت یہ ہے کہ

زاغوں کے تصرف میں ہے شاہیں کا نشیمن

کتنا حسین تھا وہ خواب اور کس قدر بھیانک ہے اس کی یہ تعبیر۔ اگر چندے یہی کیفیت اور رہی تو کچھ بعید نہیں کہ یہ خواب پھر سے خوابِ پریشان بن جائے۔

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

لیکن جب تک قرآن باقی ہے ہمارے لئے مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔

محفلِ ما بے مے و بے ساقی است
سازِ قرآں را نواہا باقی است
زخمۂ ما بے اثر افتد اگر
آسماں وارد ہزاراں زخمہ ور
ذکرِ حق از امتاں آمد غنی
از زمان و ازمکاں آمد غنی
حق اگر از پیشِ ما بردارد ش
پیشِ قومے دیگرے بگذارد ش

ایسے وقت میں اتنا صدمہ ضرور ہوگا۔

ترسم از روزے کہ محرومش کنند
آتشِ خود بردلے دیگر زنند

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلاَ يَخَافُونَ لَوْمَةَ لآئِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ(5:54)-

اے ایمان والو! جو تم میں سے نظامِ خداوندی سے روگردانی اختیار کرے گا تو اس قوم کی جگہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئے گا جو نظامِ خداوندی سے محبت رکھے گی اور وہ نظام اس قوم کو اپنے لئے خوش آئند پائے گا۔ اس قوم کے افراد کی خصوصیات یہ ہوں گی کہ ان لوگوں کے مقابلے میں نہایت نرم اور جھکے ہوئے رہیں گے جو اس نظام کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں (جو مومن ہوں) لیکن مخالفین کے مقابلے میں بڑے سخت ہوں گے۔ وہ اس نظامِ خداوندی کے قیام و بقاء کے لئے جان تک لڑا دیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ وہ فضلِ ایزدی ہے جو ہر اس قوم کو نصیب ہوسکتا ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے۔ یاد رکھو! اللہ کا قانون زندگی کی خوشحالیوں اور کشادگیوں کا حامل ہے اور ہر قوم کے اعمال سے باخبر۔ (مطبوعہ طلوعِ اسلام اپریل 1973ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماخوذ از لغات القرآن

دع و

دَعا کے معنے کسی کو پکارنے اور بلانے کے ہیں۔ چنانچہ **الدعاء ۃ**. اس انگلی (سبابہ) کو کہتے ہیں جس سے اشارہ کر کے کسی کو بلایا جائے۔ **الداعیۃ**. جنگ میں گھوڑوں کی چیخ پکار کو کہتے ہیں۔ **ھو منی دعوۃ الرجل** کے معنے ہیں وہ مجھ سے اتنی دور ہے کہ وہاں تک آدمی کی آواز پہنچ جاتی ہے (تاج)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی کو اپنی آواز یا بات سے اپنی طرف مائل کرنا۔

دعاہ الی الامیر کے معنے ہیں وہ اسے امیر کی طرف لے گیا۔ اس اعتبار سے داع صرف بلانے والے ہی کو نہیں کہتے بلکہ اسے بھی کہتے ہیں جو کسی کو کسی دوسرے کی طرف لے جائے (تاج)۔ ادعاء۔ (یدعون) کے معنے تمنا کرنے کے ہیں (تاج)۔ یا کسی چیز کو پکار پکار کر بلانے کے (67:28)۔

تداعوا علیہ کے معنے ہیں وہ اس کے خلاف جمع ہو گئے اور **تداعیٰ علیہ العدو من کل جانب** کے معنے ہیں دشمن نے ہر طرف سے اس پر حملہ کر دیا۔ **تداعت الجیطان** کے معنے ہیں دیواریں یکے بعد دیگرے گر پڑیں (تاج)۔

دعوتہ زیداً. میں نے اس کا نام زید رکھ دیا۔ **الدعی**. وہ لڑکا جسے متبنی بنا لیا جائے (تاج)۔ (اس کی جمع **ادعیاء** ہے 33:4)۔

الداعیۃ. اس دودھ کو کہتے ہیں جسے تھنوں میں اس لئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اس کے سہارے باقی ماندہ دودھ نکالا جا سکے (تاج)۔ نیز سبب یا باعث۔ **الدواعی**. ان چیزوں کو کہتے ہیں جو انسان کے جذبات کو ابھار دیں اور اس کے اندر ہیجان پیدا کر دیں (محیط)۔ (ان معانی کو اچھی طرح پیش نظر رکھنا چاہئے کیونکہ ان سے دعاء کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے)۔

وادعوا شھداء کم (2:23) کے معنے ہیں تم اپنے مددگاروں کو بلاؤ۔ سورۃ کہف میں نادیٰ اور دعا دونوں مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں (18:52)۔ سورۃ اعراف میں دعا کے مقابل میں صمت کا لفظ آیا ہے (7:193) جس کے معنے چپ رہنے کے ہیں۔ لہٰذا دعا کے معنی پکارنے یا بلانے کے ہوئے۔

سورۃ بقرہ میں ہے فادع لنا ربک (2:61)۔ جس کے معنے ہیں ہمارے لئے اپنے پروردگار کو پکار۔ الدعویٰ۔ پکار۔ مطالبہ۔ تقاضا۔ (10:10)۔

اب ہمارے سامنے دعا کا وہ گوشہ آتا ہے جو مذہب اور فلسفہ کی دنیا میں سب سے مشکل مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور جس کا صحیح مفہوم سامنے نہ ہونے سے طرح طرح کے شکوک اور خدشات لاحق ہو جاتے ہیں۔ یہ گوشہ ہے ''خدا سے دعا مانگنے'' کا۔ ان شکوک و خدشات کو سمجھنے کے لئے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے ایک مثال پر غور کیجئے۔ کسی مقدمہ میں زید مدعی ہے اور بکر مدعا علیہ۔ زید خدا سے دعا کرتا ہے کہ مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے۔ اس سے حسب ذیل سوالات سامنے آتے ہیں۔

(الف) ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کے تمام معاملات کے فیصلے خدا کے ہاں پہلے سے طے شدہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز بھی پہلے سے طے شدہ ہوگی کہ اس مقدمہ میں زید کو شکست ہوگی یا فتح۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ پہلے سے طے شدہ تھا کہ زید کو شکست ہوگی تو کیا زید کے دعا کے کرنے سے خدا اپنے پہلے فیصلے کو بدل دے گا اور زید مقدمہ ہارنے کے بجائے جیت جائے گا؟ اگر ایسا ہو تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ خدا اپنے فیصلوں کو انسانوں کی مرضی کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ یعنی خدا' انسانوں کی مرضی کے تابع چلتا ہے۔ خدا کے متعلق یہ تصور کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔

(ب) فرض کیجئے کہ زید اپنے دعویٰ میں جھوٹا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کے دعا کرنے سے' خدا مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں کر دے گا؟ اگر ایسا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا نے جھوٹے کے حق میں فیصلہ کر دیا اور سچے کو اس کے حق سے محروم کر دیا۔ خدا کے متعلق یہ تصور بھی غلط ہے۔

(ج) فرض کیجئے کہ زید اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ اگر زید خدا سے دعا نہ کرے تو کیا مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہوگا یا نہیں؟ اگر دعا کے بغیر فیصلہ اس کے حق میں نہیں ہوسکتا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا از خود سچے کے حق میں فیصلہ نہیں دیتا۔ سچے کو اپنے حق میں فیصلہ لینے کے لئے خدا سے منت خوشامد کرنی پڑتی ہے۔ خدا کے متعلق یہ تصور بھی غلط ہے۔

اور اگر خدا سچے کے حق ہی میں فیصلہ کرتا ہے خواہ وہ دعا کرے یا نہ کرے' تو زید کے دعا کرنے یا نہ کرنے سے کچھ

فرق نہیں پڑے گا۔ خدا کو بہر حال اس کے حق میں فیصلہ کرنا تھا۔ اس صورت میں دعا ایک بیکار عمل ہوا۔

(د) یہ ظاہر ہے کہ مقدمہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے انسان کو کوشش کرنی پڑتی ہے۔ ناجائز نہ سہی' جائز ہی سہی۔ کوشش تو ضرور کرنی پڑتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر زید صرف دعا کرے لیکن کوشش نہ کرے تو کیا وہ مقدمہ جیت جائے گا؟ اگر وہ صرف دعا سے مقدمہ جیت جائے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے عمل (کوشش کرنے) پر جو اس قدر زور دیا ہے تو وہ سب بیکار ہوگا۔

اور اگر کوشش کے بغیر مقدمہ نہیں جیتا جا سکتا تو پھر دعا کا فائدہ کیا ہوا؟

(س) اگر زید اپنی جگہ خدا سے دعا کرے اور بکر اپنی جگہ۔ تو پھر مقدمہ کا فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟ خدا کس کی دعا قبول کرے گا اور کس کی رد کرے گا؟

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے شکوک و خدشات ہیں جو دعا کے اس مفہوم سے پیدا ہوتے ہیں اور جن کے حل کرنے کے لئے مذہب (مذہب سے مراد انسانوں کا خود ساختہ مسلک ہے۔ دین خدا کی طرف سے ملتا ہے)۔ اور فلسفہ صدیوں سے (ناکام) کوششوں میں مصروف ہے۔ قرآن کریم نے بتایا کہ دعا کا یہ تصور غلط ہے اور اس دور کا پیدا کردہ جب ذہن انسانی اپنے عہد طفولیت میں تھا اور کائنات میں قانون اسباب (Law of Causality) کے تصور سے ناآشنا تھا۔ اس نے بتایا کہ:

(1) کائنات میں ہر شے خدا کے لگے بندھے قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے اور خدا اپنے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں کرتا۔ **ولن تجد لسنة الله تبديلاً** (33:62)- ''تو قانون خداوندی میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا''۔

(2) انسانی دنیا میں بھی خدا ہی کا قانون کارفرما ہے۔ جو شخص اس قانون کے مطابق جس قدر کوشش کرے گا اسی قدر وہ کامیاب ہوگا۔ **ليس للانسان الا ماسعىٰ. وان سعيه سوف يرىٰ** (53:39-40)- ''انسان کے لئے اس کے سوا کچھ نہیں جس کی وہ کوشش کرے اور اس کی کوشش کا نتیجہ بلا تاخیر سامنے آ جائے گا''۔

اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ جو شخص خدا کے قانون کے مطابق کوشش نہیں کرتا اور محض دعا مانگنے سے سمجھتا ہے کہ مقصود حاصل ہو جائے گا' اس کا نہ تو خدا کے متعلق تصور صحیح ہے اور نہ ہی اسے کبھی کامیابی ہو سکتی ہے۔ سورۃ رعد میں ہے: **له دعوة الحق.** انسان کی جو دعوت تعمیری نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ جو حق پر مبنی قرار پا سکتی ہے۔ وہ وہی دعوت ہے جو خدا کے لئے (یعنی اس کے قانون کے مطابق) ہو۔ **والذين يدعون من دونه لا يستجيبون لهم بشئى.** اور

جولوگ خدا کے علاوہ اوروں سے اپنی طلب وابستہ کرتے ہیں۔یعنی چاہتے ہیں کہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر' اپنی توہم پرستیوں کے زور پر کامیاب ہوجائیں' تو وہ غلطی پر ہیں۔ان کی یہ خودساختہ قوتیں ان کی کوئی مانگ پوری نہیں کرسکیں گی۔ایسے لوگوں کی مثال **کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہ.** ہے'یعنی جیسے کوئی شخص (دریا کے کنارے) اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا کر بیٹھا رہے (اور دعا کرتا رہے کہ پانی اس کے منہ میں آجائے تو) اس طرح پانی اس کے منہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔لہٰذا' **وما دعاء الکافرین الا فی ضلال (13:14)**- جولوگ خدا کے قانون سے انکار کرتے ہیں ان کی دعا کبھی نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی۔کیا تم دیکھتے نہیں کہ **وللہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض طوعاً و کرھاً..... (13:15)**- کائنات کی ہر شے' طوعاً وکرہاً' خدا کے قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔سو جب ساری کائنات کا سلسلہ خدا کے قانون کے مطابق چل رہا ہے' تو انسان اس سے مستثنیٰ کس طرح ہوسکتا ہے؟

لہٰذا' قرآن کریم کی رو سے ''خدا سے دعا'' کے معنی ہیں خدا کے قانون سے مدد چاہنا۔یعنی اس کی اطاعت سے اپنی کوششوں میں صحیح نتائج مرتب کرانا۔اس حقیقت کو قرآن کریم نے متعدد مقامات پر واضح کردیا ہے۔مثلاً سورۃ المؤمن میں ہے:**وقال ربکم ادعونی استجب لکم.** تمہارا نشوونما دینے والا کہتا ہے کہ تم مجھے پکارو۔میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا (اس کا مفہوم ذرا آگے چل کر بیان کیا جائے گا)۔اس کے بعد ہے:**ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جھنم داخرین (40:60)**- یقیناً جولوگ میری محکومیت اختیار کرنے سے سرکشی برتتے ہیں' وہ ذلیل وخوار ہوکر جہنم میں داخل ہوتے ہیں۔آیت کے دونوں ٹکڑوں کے ملانے سے بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ''خدا کو پکارنے'' سے مراد اس کے احکام وقوانین کی محکومیت اختیار کرنا ہے۔اور خدا کی طرف سے اس پکار کا جواب ملنے سے مراد انسان کی سعی وکاوش کا ثمر بار ہونا۔دوسرے مقام پر اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ:**انما یؤمن بایٰتنا الذین اذا ذکروا بھا خروا سجداً وسبحوا بحمد ربھم وھم لایستکبرون (32:15)**- ہمارے احکام پر ایمان لانے والے وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے وہ احکام پیش کئے جاتے ہیں تو وہ سرتسلیم خم کردیتے ہیں اور اپنے نشوونما دینے والے (کے پروگرام کو) درخور حمد وستائش بنانے کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں اور وہ ان احکام سے سرتابی نہیں کرتے۔**تتجافی جنوبھم عن المضاجع. یدعون ربھم خوفا و طمعا و مما رزقنٰھم ینفقون (32:15-16)**- وہ ان احکام کی تعمیل میں اس طرح سرگرم عمل رہتے ہیں کہ نیند تک کی بھی پروا نہیں کرتے۔راتوں کو بھی جاگتے ہیں اور اس طرح اپنے رب کو دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے پکارتے ہیں۔کیونکہ انہیں علم ہوتا ہے کہ ان احکام

کی تعمیل سے کیسے عمدہ نتائج مرتب ہوں گے اور ان کی خلاف ورزی سے کس قدر تباہیاں آئیں گی' جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہوتا ہے وہ اسے (نوع انسانی کی بہبود کے لئے) کھلا رکھتے ہیں۔ سورۃ المؤمن میں ہے: **فادعوہ مخلصین لہ الدین**..... (40:65) خدا کو پکارو تو اس طرح کہ فرماں پذیری کے ہر گوشے کو خالصتہً اسی کے لئے وقف اور مختص کر دو۔ سورۃ شوریٰ میں ہے: **و یستجیب الذین امنوا وعملوا الصالحات**..... (42:26)۔ ''وہ ان کی پکار کا جواب دیتا ہے جو اس کے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے مطابق صلاحیت بخش کام کرتے ہیں'' یہاں سے بھی واضح ہے کہ ''پکارا اور اس کے جواب'' سے مفہوم کیا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے: **ادعوا ربکم تضرعاً و خفیۃ انہ لا یحب المعتدین** (7:55)۔ ''تم اپنے نشوونما دینے والے کو دل کے پورے جھکاؤ اور سکون سے پکارو۔ اس طرح کہ یہ پکار تمہارے دل کی گہرائیوں سے نکلے۔ یاد رکھو! جو لوگ اس کے قانون سے سرکشی برتتے ہیں اور حد سے تجاوز کر جاتے ہیں' وہ انہیں کبھی پسند نہیں کرتا۔'' اس سے بھی واضح ہے کہ ''خدا کو پکارنے'' سے مراد اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ اس سے اگلی آیت نے اسی مفہوم کی تشریح کر دی ہے جہاں کہا ہے: **و لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا وادعوہ خوفاً و طمعاً ان رحمت اللہ قریب من المحسنین** (7:56-57)۔ یعنی تم معاشرہ میں ہموار ی پیدا ہو جانے کے بعد ناہمواریاں مت پیدا کرو۔ اور خدا کو دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے پکارو۔ یاد رکھو! جو لوگ حسن کارانہ انداز سے معاشرہ کا توازن قائم رکھتے ہیں' خدا کی رحمت ان سے بہت قریب ہوتی ہے۔''

یہاں ''خدا کی رحمت'' کو قریب کہا ہے۔ سورۃ بقرہ میں خود خدا کے متعلق کہا ہے وہ قریب ہے۔ **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب. اجیب دعوۃ الداع اذا دعان.** ''اور جب میرے بندے تجھ سے میری بابت پوچھیں تو ان سے کہو کہ میں (کہیں دور نہیں ہوں۔ ان سے بہت) قریب ہوں۔ (ان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب۔ 50:16)۔ میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے''۔ اس کے بعد ہے۔ **فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون** (2:186) ''پس انہیں چاہئے کہ میری فرمانبرداری کریں اور میرے قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں۔ تاکہ یہ اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ پالیں۔''

اس سے واضح ہے کہ خدا کو پکارنے (دعا) سے مراد اس کے احکام کی اطاعت ہے اور دعا کا جواب دینے سے مفہوم اس اطاعت پذیری کے نتائج مرتب ہونا۔

سورۃ نمل میں پہلے کائناتی نظام کے مختلف گوشوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ وہاں کس طرح ہر بات خدا کے

قانون کے مطابق ہوتی ہے۔اس کے بعد' اس جماعت مومنین کو مخاطب کیا گیا ہے جو اپنے نظام کے ابتدائی مراحل میں سخت مصیبتوں اور پریشانیوں سے گذر رہی تھی اور قدم قدم پر پکار رہی تھی کہ: **متیٰ نصر اللہ (2:214)**- خدا کی نصرت کب آئے گی؟ ان سے کہا کہ: **امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء و یجعلکم خلفاء الارض** ..... **(27:62)** (خدا کے علاوہ) وہ کون ہے جو (تمہارے) قلب مضطر کی پکار کا جواب دیتا ہے اور تمہاری پریشانیوں اور مشکلات کو دور کر کے تمہیں استخلاف فی الارض عطا کر سکتا ہے! لیکن یہ استخلاف فی الارض' تمہارے اعمال کے نتیجہ میں مل سکے گا **(24:55)**- اس لئے تم گھبراؤ نہیں۔خدا کے قانون کے مطابق عمل کرتے جاؤ۔وہ تمہاری بے کسی اور بے چارگی کو غلبہ و تسلط سے تبدیل کر دے گا۔اگر تم اس راستے پر چلتے رہے تو ہماری کائناتی قوتیں' ان مخالفین کی ضرر رسانیوں سے تمہاری حفاظت طلب کرتی رہینگی **(40:7)**- جماعت مومنین تو ایک طرف' خود حضرات انبیاء کرامؑ سے بھی یہی کہا گیا۔مثلاً سورۃ یونس میں حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو دیکھئے۔حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ فرعون کا مقابلہ کرنے کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔اس کے جواب میں ان سے کہا جاتا ہے: **قد اجیبت دعو تکما' فاستقیما (10:89)**- تم دونوں کی ''دعاء قبول ہوگئی ہے''۔بس اب تم اپنے پروگرام پر پوری پوری استقامت سے کاربند رہو۔ظاہر ہے کہ اگر دعاء قبول ہو جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ جو کچھ تم نے مانگا ہے وہ تمہیں دے دیا گیا ہے (یا وہ تمہیں مل جائے گا) تو اس کے بعد اس کے لئے کسی کوشش کی ضرورت نہ تھی لیکن یہاں کہا یہ گیا ہے کہ تمہاری دعاء قبول ہوگئی ہے۔لہٰذا اب تم نہایت استقامت سے اس پروگرام پر کاربند رہو۔اس سے واضح ہے کہ جو کچھ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے کہا گیا تھا وہ فقط اتنا ہی تھا کہ تمہاری یہ آرزوئیں ہمارے قانون کے مطابق ہیں لہٰذا تم ان کے حصول میں نہایت مستقل مزاجی سے کوشش کرو۔تم ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔

تصریحات بالا سے یہ حقیقت واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے خدا سے دعا کرنے کے معنی اس کے احکام و قوانین کی اطاعت کرنا ہیں۔اسی ''دعا'' کا حکم رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا تھا: **قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احداً (72:20)**- ان سے کہہ دو کہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس میں کسی اور کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا۔یعنی اس کی حاکمیت میں کسی اور کو شریک نہیں کرتا **(18:26)**-

''دعا'' کے اس قرآنی مفہوم کے بعد ان شکوک و خدشات کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

اب ذرا آگے بڑھئے۔ جن باتوں کو ہم اپنی اصطلاح میں ''دعا'' کہتے ہیں' قرآن کریم میں وہ بھی ہیں۔ مثلاً **ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا. وانصرنا علی القوم الکافرین (3:146)**- ''اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو ہماری کوتاہیوں' اور معاملات میں حد سے بڑھ جانے کے مضر نتائج سے ہماری حفاظت کر۔ ہمارے قدموں کو استقامت عطا فرما اور ہمیں قوم کفار پر کامیابی عطا کر دے۔'' یعنی وہ دعائیں جن میں انسان اپنی کسی آرزو کے برآنے کی درخواست کرتا ہے۔ یہ دعائیں درحقیقت انسان کی آرزو کی شدت کا مظاہرہ ہوتی ہیں۔ اس شدت آرزو سے انسان کی اپنی ذات میں ایسا تغیر واقع ہوتا ہے جس سے اس کی خفیہ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور مضمر صلاحیتیں بروئے کار آ جاتی ہیں۔ ان کی وجہ سے اس کا عزم راسخ اور ہمت بلند ہو جاتی ہے اور وہ موانعات کا مقابلہ کرنے اور شدائد پر غلبہ پا لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ (**الداعیۃ اور الدواعی** کے جو معنی شروع میں دیئے گئے ہیں۔ ان پر غور کیجئے) یعنی سب سے پہلے تو یہ کہ انسان وہی کچھ چاہے جو قانون خداوندی کے مطابق ہو اور پھر اس مقصد کے حصول کے لئے آرزو میں شدت پیدا کرے۔ اس سے اس کے اندر ایسی انقلابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتائج حیرت انگیز ہوتے ہیں (واضح رہے کہ قرآن کریم نے یہ بھی کہا ہے کہ تمہاری ہر آرزو' قانون خداوندی کے مطابق ہونی چاہئے' ورنہ تم وہ کچھ طلب کرنے لگ جاؤ گے جو تمہارے لئے درحقیقت مضر ہوگا۔ 17:11)- اس حقیقت کو علامہ اقبالؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

کہا جا سکتا ہے کہ اگر انسان اپنے کسی مقصد کے حصول کے لئے اپنے اندر ویسے ہی شدت آرزو پیدا کر لے تو اس سے بھی اس کی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ پھر اس میں اور خدا سے دعاء کرنے میں کیا فرق ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ اس طرح بھی انسان کی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں لیکن مقصد صرف قوتوں کی بیداری نہیں۔ سب سے پہلی چیز خود مقصد کا تعین ہے۔ یعنی وہ مقصد ہے کیا جس کے حصول کے لئے آرزو کی جا رہی ہے اور وہ ہے کیسا؟ پھر اس کے حصول کے لئے طریقے کیا کیا اختیار کئے جائیں گے اور اس تمام سعی و کاوش کے ماحصل کو کس مصرف میں لایا جائے گا۔ ایک مرد مومن (قرآنی انسان) ان تمام امور کا فیصلہ خدا کے احکام کی روشنی میں کرتا ہے اس لئے وہ' پہلے قدم سے آخری قدم تک' خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہے۔ اس کی طلب و آرزو کی شدت بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اس کے لئے بھی خدا ہی کو پکارتا ہے۔ خدا کی طرف سے سب کچھ اس کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ دعاء کے نتیجہ میں انسان کی خفیہ قوتوں کی بیداری بھی اس کے قانون ہی کے مطابق ہوتی ہے۔ علاوہ بریں' ایک اور بھی نقطہ ہے جس کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ خدا نے انسانی ذات میں ایسی صلاحیت دے رکھی ہے کہ وہ مناسب نشوونما سے اپنے اندر (علیٰ حد بشریت) ان صفات کو اجاگر کرتی جائے جنہیں (لامحدود

طور پر) صفات خداوندی یا الاسماء الحسنٰی کہا جاتا ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے خدا کی ذات (یعنی ان صفات حسنٰی کی حامل ذات) انسانی ذات کی نشوونما کے لئے معیار (Standard) بن جاتی ہے۔ انسان کا اپنی شدت آرزو میں خدا کو پکارنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر ان صفات خداوندی کو اجاگر کرنا چاہتا ہے جن سے مقصد پیش نظر میں کامیابی ہو جائے۔ یہ ہے فرق ''خدا سے دعا مانگنے'' اور اپنے طور پر شدت آرزو پیدا کرنے میں۔

(دعا کی اجابت کے لئے عنوان ج وب بھی دیکھئے)۔

اب رہیں حضرات انبیاء کرامؑ کی وہ ذاتی دعائیں جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ سو نبوت کا معاملہ عام انسانی معاملات سے بالکل الگ ہے۔ اس کے متعلق ہم نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں نہ سمجھا سکتے ہیں۔ ہم ان کے لائے ہوئے پیغام کو سمجھتے ہیں اور اسی کی اطاعت ہمارا فریضہ ہے۔ باقی رہا ان کی دعاؤں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جس طرح خدا ان کی دعا کے جواب میں ان سے ہم کلام ہوتا تھا' اسی طرح دیگر (غیر از انبیاء) انسانوں سے بھی ہم کلام ہو سکتا ہے تو یہ چیز وحی اور نبوت کے قرآنی تصور کے یکسر خلاف ہے۔ خدا' حضرات انبیاء کرامؑ کے علاوہ کسی انسان سے ہمکلام نہیں ہوتا اور نبی اکرم ﷺ کے بعد ایسا سمجھنا ختم نبوت کی مہر کو توڑنا ہے۔

نہ ہی یہ عقیدہ صحیح ہے کہ خدا ہماری دعا کو نہیں سنتا اس لئے ''خدا کے کسی مقرب'' سے درخواست کی جائے کہ وہ ہمارے لئے خدا سے دعا کرے۔ قرآن کی رو سے خدا اور بندے کے درمیان کوئی قوت حائل نہیں ہو سکتی۔ ایسا سمجھنا شرک ہے۔ ''خدا تک پہنچنے'' یا اس تک اپنی آواز پہنچانے کے لئے کسی ذریعے اور واسطے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر انسان' اس کے قوانین کے اتباع سے ''اس تک پہنچ سکتا ہے'' اور اپنی آواز اس تک پہنچا سکتا ہے۔ (وسیلہ کے قرآنی مفہوم کے لئے متعلقہ عنوان دیکھئے) اور اس کے قوانین کا اتباع' قرآنی معاشرہ کے اندر رہ کر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جو دعائیں مومنین کے لئے بتائی ہیں وہ عام طور پر اجتماعی ہیں۔ مثلاً 1:5-7 و 2:201 و 2:286 و 3:7 و 3:146 و 3:192)۔

سورۃ بقرہ کی جو آیت اوپر درج کی گئی ہے۔ یعنی **و اذا سالک عبادی عنی فانی قریب (2:186)**۔ ''جب تجھ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو (ان سے کہہ دو کہ) میں قریب ہوں''۔ **یا نحن اقرب الیہ من حبل الورید (50:16)**۔ ''میں انسان سے اس کی رگ جان سے بھی قریب ہوں''۔ تو ان میں ضمناً خدا کے موجود فی الکائنات (Immanence) اور خارج از کائنات (Transcendence) کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ وہ ہر انسان سے' اس کی رگ جان سے بھی قریب ہے۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ خدا کائنات میں ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اس طرح موجود نہیں جس طرح کوئی چیز کسی خاص مقام میں مقید ہوتی ہے۔ چونکہ ہمارے حواس کسی ایسی شے کا تصور نہیں کر سکتے جو فضا

(Space) کے اندر مقید نہ ہو اس لئے ہم اسے سمجھ ہی نہیں سکتے کہ خدا' اس کائنات میں' بغیر جگہ (Space) گھیرے کس طرح موجود ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے کہہ دیا ہے کہ **لا تدرکہ الابصار. وھو یدرک الابصار (6:104)**- انسانی نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ لیکن وہ انسانی نگاہوں کا ادراک واحاطہ کئے ہوئے ہے لیکن اس کے قانون کا ہم ادراک بھی کر سکتے ہیں اور نتائج سے اس کا مشاہدہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے ہمارا تعلق خدا کے قانون سے بتایا ہے۔ خود خدا کی ذات سے نہیں۔ دعا (پکارنے) کا تعلق بھی خدا کے قانون سے ہے۔ ہم اس کے قانون کو آواز دیتے ہیں اور جب ہم اس کے مطابق عمل کرتے ہیں تو وہ ان اعمال کے مشہود نتائج کو سامنے لا کر ہماری پکار کا جواب دیتا ہے۔

باقی رہا خدا کا علم' سو جس چیز کو ہم ''ماضی' حال' مستقبل'' کہتے ہیں' علم خداوندی کی رو سے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ خدا کے سامنے ماضی' حال اور مستقبل سب بیک وقت (Eternal now کی شکل میں) موجود ہوتے ہیں۔ یعنی اسے ہونے والے واقعات کا اس طرح علم ہوتا ہے جیسے وہ سامنے اس وقت ہو رہے ہوں لیکن اس چیز کا ہمارے اس اختیار وارادے پر کچھ اثر نہیں پڑتا جو ہمیں خدا نے عطا کیا ہے۔ نہ ہی اس بات پر کوئی اثر پڑتا ہے کہ ہمارے لئے جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ سب کچھ خدا کے سامنے ہو رہا ہوتا ہے (اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے) لیکن وہ ہمارے اختیار وارادہ کو سلب نہیں کرتا۔ ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں اس کا نتیجہ بھگتتے ہیں۔ اگر ہم خدا کے قانون کے مطابق کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ خوشگوار ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کرتے ہیں تو نقصان اٹھاتے ہیں۔ کسی میں اس کی طاقت نہیں کہ خدا کے قانون کے خلاف کرے اور اس کا نتیجہ خوشگوار مرتب کرے۔ خدا کے قانون کے مطابق قدم اٹھانا' خدا کو پکارنا یا دعا کرنا ہے۔ اور اس کا خوشگوار نتیجہ مل جانا' دعا کا قبول ہو جانا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآن مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

WWW.TOLUISLAM.COM

سی ڈی اور کتب کی خریداری ☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com, PDF.EBOOK

☆ اندرون ملک' فون:35753666 42 92+' ای میل:trust@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

اسلامی نظام کی انفرادیت

انسانی شعور نے جب سے آنکھ کھولی ہے، اس نے اپنے لئے ضابطۂ حیات بنانے کی کوشش جاری رکھی ہے۔ مگر افسوس کہ فہم وادراک انسانی اپنی کوشش بسیار کے باوجود اپنے اس مقصد میں سخت ناکام رہا ہے۔ بالکل ابتداء میں انسان نے قبائلی زندگی اختیار کی، اس کے بعد ملوکیت اور بادشاہت کا دور آ گیا۔ یہ دونوں طریقۂ زندگی کچھ سوچ سمجھ کے عمداً اختیار نہیں کئے گئے تھے، بلکہ زمانہ کی ضروریات کے تقاضوں کی وجہ سے یہ دونوں طریقے ازخود بنتے چلے گئے، جس شخص نے اپنی فراست اور دلیری کی وجہ سے قوت وطاقت جمع کر لی تھی وہ خود ہی بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ بادشاہوں نے انسانیت پر جو مظالم بھی کرنے چاہے، ان کو کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ بادشاہت کے بعد جمہوریت کا کھلونا انسان کے ہاتھ لگا۔ جمہوریت کوئی نظام زندگی نہیں ہے یہ صرف گورنمنٹ چلانے کی مشینری تک محدود ہوتی ہے اور اس کی واضح مثال ہمارا پڑوسی ملک بھارت ہے۔ وہاں حکومت کا سیاسی وانتظامی نظام ڈیموکریٹک ہے، لیکن ان کا ضابطۂ حیات، ان کا کلچر اور ان کا معاشرہ قطعاً جمہوری نہیں ہے۔ اگر ہندوستان میں جمہوریت رائج ہو جائے، تو وہاں ذات پات کی تقسیم، یعنی ورنوں کا سلسلہ بالکل ختم ہو جائے گا، جو ہندوازم کی اساس ہے، ہندو مذہب اور جمہوریت ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں، یہ دونوں آپس میں Compatible نہیں ہیں۔ ہندو مذہب کا موجود رہنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ بھارت میں جمہوریت نہیں ہے بلکہ صرف ان کا نظام حکومت جمہوری ہے۔ انسان نے جو ضابطۂ حیات خود اپنی سوچ اور عقل سے بنایا ہے وہ صرف کمیونزم کا ضابطہ تھا۔ کمیونزم کے علاوہ ذہن انسانی نے کوئی ضابطہ حیات اب تک نہیں بنایا ہے۔ کمیونزم جس طرح فیل ہوا وہ ہماری اپنی آنکھوں کے سامنے ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں اس کے ناکام ہونے کا اندازہ بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اس کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ اس میں کام کرنے کا اور اپنی کمائی ہوئی دولت کو دوسروں پر خرچ کرنے کا کوئی محرک Incentive نہیں ہے۔

موجودہ دور جس اضطراب اور پریشانی کے عالم میں ہے، وہ ہم سب کے سامنے ہے موجودہ دور کا اضطراب دیکھنے کے بعد اب اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ انسانی ذہن ضابطۂ حیات نہیں بنا سکتا کسی دلیل کی ضرورت باقی ہی نہیں

رہی اگر بالفرض کسی دلیل کی ضرورت باقی بھی تھی تو جدید ترین تحریک "Occupy" نے اس کے کفن میں آخری میخ ٹھونک دی ہے اور اس ضروت کو پورا کر دیا ہے۔ یہ تحریک اصلاً سپین سے شروع ہوئی اور دنیا کے تقریباً 92 ممالک نے اس کو Support کیا ہے۔ یہ تحریک Globalisation اور Corporates کے خلاف شروع ہوئی ہے' جن کی وجہ سے غریبوں کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے' فی الحال یہ تحریک بغیر کسی قیادت کے ہے اور اس کے سامنے کوئی Vision نہیں ہے۔ ہم مسلمانوں میں کوئی شخص اس مقام پر نہیں کہ وہ قرآن کا معاشی نظام ان کے سامنے پیش کر سکے۔ اس وقت ساری دنیا ایک Confusion میں مبتلا ہے اور انسانیت ایک بند گلی میں کھڑی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ دنیا کے مسائل اور مشکلات خود عقل انسانی کی پیدا کردہ ہیں' اس لئے عقل انسانی ان کا حل تلاش کرنے سے قاصر ہے۔ ان مشکلات و مسائل کا حل صرف وحی الٰہی سے مل سکتا ہے۔

قرآن کریم کا نظریہ یہ ہے کہ بہترین ضابطۂ حیات وہ ہے جس میں مکمل طور پر امن و امان قائم ہو اور ہر شخص کی مضمر صلاحیتیں اس معاشرہ میں پروان چڑھ سکیں اور یہی تزکیہ نفس ہے۔ اسلامی معاشرہ میں انسانی نفوس کا تزکیہ بھی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرہ کا تزکیہ بھی ہوتا ہے لیکن اس طرح کا نظام صرف قرآن کریم کی مستقل اقدار پر قائم ہو سکتا ہے اور ذہن انسانی وہ مستقل اقدار وضع نہیں کر سکتا۔ اس بارے میں قرآن کے نظری مباحث کا اس مضمون میں حوالہ دیئے بغیر اس کی عملی صورت سے صرف ایک دو باتیں پیش خدمت کی جاتی ہیں۔

قرآن کریم نے ایک اچھی حکومت کے لئے دو چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے پہلی چیز یہ ہے کہ جن لوگوں کو نظام چلانے کی ذمہ داری سپرد کی جاتی ہے وہ اس کے اہل ہوں اور دوسرے یہ کہ معاشرہ میں پوری طرح عدل قائم ہو پہلے حکم کے لئے ارشاد عالی ہے:

إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا (4:58)-

بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچا دو۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

آیہ کریمہ کا یہ ترجمہ اور اس سے جو مفہوم لیا جاتا ہے۔ وہ صرف مذہب کے زیر اثر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں حضرت علامہ عثمانی نے تحریر فرمایا ہے:

''یہود کی عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے تھے اور..... رشوت وغیرہ کی وجہ سے کسی کی خاطر رعایت کر کے خلاف حق حکم دیتے۔''

اس لئے مسلمانوں کو ان دونوں باتوں سے اس آیت میں روکا گیا ہے' تفسیر مظہری میں اس آیت کے ذیل میں مرقوم ہے:

''آیت مذکورہ کا نزول اگرچہ بنی طلحہ کو کنجی دے دینے کے سلسلہ میں ہوا تھا مگر الفاظ کا حکم عام ہے۔ ہر امانت والے کو اس کی امانت واپس کر دینا واجب ہے' حضرت انس کی روایت ہے کہ ایسا بہت کم ہوا کہ حضورﷺ نے خطبہ دیا ہو اور یہ نہ کہا ہو کہ جس میں امانت داری نہیں' اس میں ایمان نہیں' جس میں عہد کی پاسداری نہیں اس میں دین نہیں۔'' (شعب الایمان بیہقی)۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے نفاق کی علامات میں اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرے۔ (صحیحین)۔

اس آیت میں مذہب کے زیر اثر امانت کا وہی ترجمہ اور وہی مفہوم لیا گیا ہے جو ہمارے ہاں عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اگر آپ کسی کے پاس ایک لاکھ روپے بطور امانت رکھتے ہیں' تو اس پر واجب ہے کہ وہ عندالطلب اسی طرح واپس لوٹا دے' حقیقت یہ ہے کہ اس کے لئے درست لفظ امانت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ودیعت درست لفظ ہے' اس آیت میں قرآن کریم نے امانت کا لفظ اس معنے میں استعمال ہی نہیں کیا۔ مشہور درسی لغت ''مصباح اللغات'' میں امانت کے معنے فریضۂ خداوندی تحریر کئے ہیں۔ امانت اور خیانت ایک دوسرے کی ضد ہیں' ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَخُونُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُواْ أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (8:27)-

اے جماعت مومنین تم نہ تو اسلامی نظام سے خیانت کرنا اور نہ ہی ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں جو تمہارے سپرد کی گئی ہیں۔

نظام خداوندی کی خیانت یہ ہے کہ نظام کے راز فاش کئے جائیں اور اس کے چلانے میں رکاوٹیں ڈالی جائیں۔ اس آیت میں امانتوں سے مراد وہ تمام ذمہ داریاں ہیں جو کسی کے سپرد کی جائیں اور مسلمانوں کو واضح حکم دیا جا رہا ہے کہ امانتیں یعنی ذمہ داریاں صرف اور صرف ان کے سپرد کرو جو اس کا بار اور بوجھ اٹھانے کے قابل ہوں۔ ان امانتوں میں اجتماعی معاہدات Treaties' مملکت کے راز' شامل ہیں۔ اس میں مملکت کے اعلیٰ ترین عہدے شامل ہیں کہ اہم ترین عہدوں اور مناصب پر ان لوگوں کو لگاؤ جو اس کے اہل ہیں یہ حکم کہ عہدوں کے اہل حضرات کو ہی عہدہ دیا جائے' اسی قدر اہم اور واجب ہے جس طرح نماز و روزے کے احکامات واجب ہیں۔ یہ بات بخوبی واضح رہے کہ یہ چیز بڑی ستائش کرنے کی ہے کہ سیکولر حکومتوں میں افسران اعلیٰ کو اختیارات سپرد کئے جاتے ہیں جبکہ اسلامی حکومت میں افسران کو ان کی ذمہ داریاں سپرد کی جاتی ہیں کہ جب تک وہ افسران وہ ذمہ داریاں پوری کریں گے وہ اقتدار میں رہیں گے جس دن بھی وہ ان ذمہ

داریوں کو سرانجام دینے سے قاصر رہے، وہ فوراً اپنے عہدوں سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

یہاں تک تو امانت کے متعلق عرض کیا گیا ہے کہ امانت سے مراد وہ ذمہ داریاں ہیں جو اسلامی مملکت کے اعلیٰ عہدہ داران کے سپرد کی جاتی ہیں۔ اس سے امانت کے اس مفہوم کی مزید وضاحت فرما دی جبکہ ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ (4:58)-

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

یہ اسلامی مملکت کی دوسری ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کے حکم سے امانت کی مزید وضاحت فرما دی کیونکہ ودیعت کا کوئی تعلق انصاف کرنے سے نہیں ہوسکتا۔ آیت کے دونوں حصوں میں ربط جب ہی قائم ہوسکتا ہے جب آپ امانت کا مفہوم ذمہ داری لیں۔

قرآن کریم کے معاشرہ کی بنیاد ہی عدل پر قائم ہوتی ہے لیکن قرآن کریم کے مطابق عدل صرف وہ ہے جو قرآن کے مطابق حاصل کیا جائے۔ انسانوں کے وضع کردہ قوانین سے عدل حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی قانون ہی عدل پر مبنی نہ ہو تو اس سے عدل کس طرح حاصل ہوسکتا ہے۔ قرآن کا حکم ہے:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ (7:181)-

اور ہماری مخلوق میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو دین حق کی ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ ہی انصاف کرتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ غیر اسلامی مملکت میں عدل قائم ہی نہیں ہوسکتا۔ عدل کے لئے شرط یہ ہے کہ اسلامی مملکت قائم کی جائے اور اس میں قرآن کریم کے قوانین نافذ کئے جائیں تو پھر عدل قائم ہوتا ہے۔ ادائے امانت کی جس آیت کی تفسیر جناب کی خدمت عالی میں پیش کی گئی ہے اس سے اگلی آیت نے واضح کر دیا کہ عدل صرف اسلامی حکومت میں قائم ہو سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ (4:59)-

اے جماعت مومنین خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبانِ حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو اور اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو تو اس امر کو خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو۔

یہ آیہ کریمہ اسلامی نظام کی اساس اور اس کی بنیاد ہے اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی اطاعت بغیر رسول کے نہیں ہو

سکتی کیونکہ اللہ کے قوانین انبیاء کرام کی معرفت ہی موصول ہوئے ہیں اور انبیاء کرام ہی ان قوانین کے مطابق مملکت قائم فرما کر عدل کرتے تھے' اسی لئے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت کا ذریعہ بنتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّهَ (4:80)-

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

بالکل اسی طرح جس طرح اللہ کی اطاعت بغیر رسول کے نہیں ہوسکتی بعینہٖ اسی طرح رسول کی اطاعت بھی اولوالامر کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ آیہ کریمہ نے تینوں اطاعتوں کو واجب قرار دیا ہے۔ جس طرح اللہ اور رسول کی اطاعت واجب ہے اسی طرح اولوالامر کی اطاعت بھی واجب ہے۔ جس طرح اللہ کی اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جائے اس کے بغیر اللہ کی اطاعت ہو ہی نہیں سکتی' اسی طرح رسول کی اطاعت کے لئے ضروری اور لازمی ہے کہ اس کے افسران ماتحت یعنی اولوالامر کی اطاعت کی جائے' اللہ' رسول اور الوالامر کے درمیان یہ تعلق ایسا ہی لابدی اور ضروری ہے کہ اس تعلق وسلسلہ کو کسی طرح توڑا نہیں جاسکتا۔ اگر آپ ان میں سے کسی ایک کڑی کو درمیان سے نکال دیں تو پھر تینوں سلسلے بیک وقت ٹوٹ جائیں گے لیکن اگر آپ ان تینوں سلسلوں کو ساتھ ساتھ سلسلۃ الذھب کی طرح قائم رکھیں گے تو پھر یہ ایک نظام کی صورت اختیار کرے گا اور پھر اس نظام کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہو جائے گی۔ اس آیہ کریمہ کے ذریعے قرآن کریم نے شخصی ادوار کا زمانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر کے رکھ دیا' اور انسانیت کو نظام کے تصور سے روشناس کرایا ہے۔ نظام کے قیام سے پھر حضورﷺ کی اطاعت بھی شخصی' ذاتی' Personal نہیں رہتی بلکہ آپ کی اطاعت بھی ایک Functional اطاعت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ حضورﷺ کے اپنے عہد مبارک میں بھی جو لوگ مدینہ شریف سے بہت فاصلہ پر رہائش پذیر تھے وہ اپنے مقدمات کے فیصلے حضورﷺ کے سامنے پیش ہو کر نہیں کراتے تھے بلکہ وہ مقامی حکام و افسران' جو حضورﷺ نے مقرر فرما دیئے تھے' جنہیں قرآن نے اولوالامر کہا ہے' ان سے ہی اپنے مقدمات کے فیصلے کرا لیتے تھے اور ان کے فیصلوں کی اطاعت ہی حضورﷺ کی اطاعت ہو جاتی تھی۔ ہمارے اس دور میں بھی صرف اسلامی مملکت کے افسران کی اطاعت ہی حضورﷺ کی اطاعت ہوسکتی ہے اس دور میں حضورﷺ کی اطاعت کرنے کا اور کوئی دوسرا طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس مفہوم کی تائید کے لئے' خود حضورﷺ کی احادیث بکثرت موجود ہیں وہ آپ ملاحظہ فرمائیں:

(1) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے امام کی اطاعت کی' اس نے میری اطاعت کی' اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ

کی نافرمانی کی' اور جس نے امام کی نافرمانی کی' اس نے میری نافرمانی کی۔ (بخاری شریف' کتاب الاحکام)۔

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اس حدیث شریف میں کیسے تینوں سلسلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا ہے اور اس میں سے کسی ایک کڑی کو درمیان سے نکال نہیں سکتے۔ اللہ کی اطاعت کے لئے ان تینوں کڑیوں کا ہونا لازمی' ضروری ہے۔ یہاں اس حدیث میں واضح طور پر امام سے مراد اسلامی مملکت کے افسران ہیں جن کو قرآن کریم نے اولوالامر کے خطاب سے یاد کیا ہے۔

(2) جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں خلیفہ کی بیعت کا قلادہ نہیں ہے وہ جاہلیت کی موت مرا۔ یعنی غیر اسلامی نظام میں وفات پانا' جاہلیت کی موت مرنا ہے۔

(3) ایک اور حدیث میں ارشاد عالی ہے: پانچ وقت نماز ادا کرو' رمضان میں روزے رکھو' اپنے مالوں میں سے زکوٰۃ دیتے رہو' اور اپنے صاحبِ امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(4) بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر ایک چھوٹے سر والے حبشی غلام کو امیر مقرر کر دیا جائے۔ جب تک وہ تمہارے اندر اللہ کی کتاب قائم کرے۔

(5) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے لئے ہر حال میں امراء کی سمع و اطاعت ضروری ہے۔ جب تک کسی معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ جب معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سننا ہے اور نہ ماننا۔ (بخاری شریف' کتاب الاحکام)۔

دنیا کی عام سیکولر مملکتوں میں حکومتوں اور عوام کے مفادات اور مقاصد زندگی ایک نہیں ہوتے۔ حکومتوں کے مقاصد کا دارومدار Expendiencies پر ہوتا ہے' جبکہ عوام کے مقاصد' اس سے جدا ہوتے ہیں' جمہوریت میں تو یہ بات بالکل کھل کے سامنے آ جاتی ہے۔ جبکہ مملکت کا ایک بڑا حصہ حکومت کی پالیسی کے خلاف ہوتا ہے۔ جن ممالک میں حکومتوں کے سامنے زندگی کا کوئی نصب العین ہوتا ہی نہیں ان کا واحد مقصد اقتدار سے چمٹے رہنا ہوتا ہے۔ قرآنی مملکت وہ واحد مملکت ہوتی ہے جس میں مملکت اور عوام کے مفادات اور مقاصد زندگی ایک ہوتے ہیں۔ قرآنی مملکت کا مقصد اصلی عبادت خداوندی ہوتا ہے (24:55)' اس حکومت کی اطاعت' عبادت خداوندی ہوتی ہے۔ چونکہ مملکت اور عوام دونوں عبادت خداوندی کے خواہشمند ہوتے ہیں' اس لئے مملکت کو عوام کا پورا پورا تعاون حاصل ہوتا ہے اور حکومت ان کی ضروریات پوری کرتی ہے' ان کے پورے حقوق پورے کرتی ہے اور عوام اس کی اس لئے اطاعت کرتے ہیں کہ اس کی

اطاعت سے اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔ اسلامی نظام کا ہر فرد اس مملکت کا ایک پرزہ ہوتا ہے اور ہر فرد اپنی استعداد کے مطابق اس کے استحکام میں اپنا ایک کردار ادا کرتا ہے۔ اس لئے اسلامی نظام میں حاکم و محکوم کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی' ہر شخص نظام کا محکوم' ہر شخص اپنے مرتبہ اور اپنے مقام کے مطابق' اس نظام کا مطیع و فرمانبردار۔ اس مملکت کے افسرانِ اعلیٰ' صدر و وزیراعظم اور افسران ماتحت کسی کو کسی طرح کی Privilege یا Immunity نہیں ملتی۔ افسران و حکام اعلیٰ اس نظام کی دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ اطاعت کرتے ہیں۔

امام ابو یوسف کی مشہور کتاب' کتاب الخراج سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں اور حضرت عمرؓ کے عہد حکومت کی شان ملاحظہ فرمائیں:

''لوگ سرکاری عہدوں کی ذمہ داریاں اٹھانے سے کتراتے تھے اور ان لوگوں سے تعاون کی اپیل کرنی پڑتی تھی اور ایک زمانہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کوئی سرکاری عہدہ مل جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کو دولتِ کونین ہاتھ آ گئی۔ اس تفاوت مال کی وجہ صرف تصور اور عقیدہ کا فرق ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ عہدے خدا کی امانت تھے اور اس کی باز پرس کے خوف کے ساتھ ہی یہ قبول کئے جاتے تھے۔ اور اسی احساس کے ساتھ نہایت قلیل معاوضہ پر ان کی ذمہ داریاں ادا کی جاتی تھیں۔ اس سبب سے یہ لذیذ اور محبوب ہونے کے بجائے کڑوے کسیلے بن گئے تھے اور صرف وہی لوگ ان کو انجام دینے پر آمادہ ہوتے تھے جو فرض کی اہمیت کو پہچانتے ہوں اور آخرت کی امید پر ایک عبادت کی حیثیت سے ان میں اپنے کو کھپانے کے لئے تیار ہوں۔ اس کے بالکل برعکس اس زمانہ میں یہ عہدے مطلق العنانی' طمطراق' لوٹ و عیش و تنعم کی تمام کشش اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور خوف لوگوں کے اندر نہ قوم کی گرفت کا باقی رہا ہے۔ نہ آخرت کی باز پرس کا۔ پھر اس عیش کو حاصل کرنے کے لئے آخر لوگ کیوں نہ بازی لگائیں۔''

یہ بات بھی قابل توجہ رہے کہ اسلامی مملکت میں صدر مملکت خود ہر جمعہ کو عوام کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ خطبہ میں اپنی پالیسی بیان کرتا ہے اور خطبہ کے بعد عوام کو پورا حق ہوتا ہے کہ امیر کی پالیسی اور اس کے طریقہ کار پر اعتراض کرے۔ اس طرح افسران بالا و ادنیٰ' مقامی حکام بھی ہر جمعہ پر اپنے آپ کو عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان کی تکالیف اور مسائل کو حل کرتے ہیں' اصل جمہوریت یہ ہوتی ہے کہ ہر شخص ہر جمعہ کو مملکت کے انتظام و انصرام میں حصہ لے کر' اپنی مشکلات کو حل کروالیتا ہے۔

دنیاوی سیکولر حکومتوں میں عوام کے روزمرہ کے مسائل حل کئے جاتے ہیں اور ان مملکتوں میں انسانوں کے جسمانی و حیوانی سطح کے مسائل حل کرنا مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔ جبکہ اسلامی مملکت کا مقصد انسان کی ''انسانی زندگی'' کی ضروریات

پوری کر کے' اس کی نشو ونما کرنا ہوتا ہے۔ 'انسانی زندگی'' کے مسائل صرف وحی الٰہی کی مستقل اقدار کے ذریعے ہی پورے ہو سکتے ہیں اور اسی زندگی کی نشو ونما کے لئے وحی الٰہی کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔ ''انسانی زندگی'' کی نشو ونما صرف اسلامی مملکت میں ہوسکتی ہے' اور اسی وجہ سے مسلمان دنیا میں صرف اس وجہ سے زندہ ہے کہ وہ اس زمین پر حکومت خداوندی قائم کرے' اسلامی حکومت کی سخت ترین اطاعت سے ہی اس دنیا میں آزادی حاصل ہوتی ہے۔ خدا کے قوانین کو دنیا میں عملاً نافذ کرنا ہی خدا پرستی ہے اور ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا نیک عملی ہے اور اسی سے انسانی زندگی کی نشو ونما ہوتی ہے' اور انسانی زندگی کا مقصد حیات بھی یہی ہے۔

وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزاً عَظِيماً (48:5)-

اور یہ خدا کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

شُنیدم از در و دیوارِ کوئے اُوصد بار
کہ خاکِ راہ شُو اینجا' و خاک بر سَر کُن

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہوگیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔ 50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اکرم راٹھور، لاہور

میثاقِ مدینہ

(قراردادِ معاہدہ)

13 جنوری 2012ء کے روزنامہ ایکسپریس لاہور میں 'میثاقِ مدینہ کیا کہتا ہے' کے عنوان سے جناب انتظار حسین صاحب (بندگی نامہ) کا ایک مضمون شائع ہوا۔ اس میں بتایا گیا کہ قائداعظم لائبریری میں ایک مجلسِ مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا تھا جس کا موضوع تھا 'قائداعظم کس قسم کا پاکستان چاہتے تھے' اس مذاکرے کی صدارت ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کر رہے تھے۔ اس مباحثہ میں قائداعظم کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کا حوالہ آیا تھا۔ انہوں نے میثاق مدینہ کا حوالہ دیا اور سوال کیا کہ کیا قائداعظم کی یہ تقریر میثاقِ مدینہ سے انحراف ہے۔ اگر ہے تو بتایا جائے کہ کیسے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ میثاقِ مدینہ کے تحت جو سٹیٹ قائم ہوئی تھی اس سٹیٹ یا اس مملکت میں تو (مسلمانوں کے علاوہ) عیسائی بھی تھے' یہودی بھی تھے' مشرکین بھی تھے۔ میثاق مدینہ نے ان سب کو وحدت قرار دیا تھا۔

5 فروری 2012ء کے روزنامہ ایکسپریس لاہور کے مطابق صوبائی سیرت کانفرنس سے صدارتی خطاب کرتے ہوئے وزیراعلیٰ پنجاب جناب شہباز شریف صاحب نے کہا کہ اسلام کی ابدی اور ہمہ گیر تعلیمات پر عمل کر کے مثالی معاشرہ بن سکتا ہے۔ اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے معاشرے میں عدل وانصاف کی حکمرانی قائم کی جاسکتی ہے۔ ذاتی معاملات کو ایک طرف رکھتے ہوئے آج غیر مسلم معاشروں میں پائی جانے والی اچھائیاں میثاقِ مدینہ کی جھلک محسوس ہوتی ہیں۔ میثاق مدینہ پر عمل کر کے ملک کو فلاحی ریاست بنایا جاسکتا ہے۔ میثاقِ مدینہ کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر محمد حسین ہیکلؒ کی کتاب 'حیاتِ محمد ﷺ' مترجم ابوتحیٰی امام خاں شائع کردہ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ '2' کلب روڈ' لاہور سے اقتباس نیچے دیا جا رہا ہے:

قراردادِ معاہدہ: رسول اللہ ﷺ نے ان تمام نزاکتوں (ص 484) کو مدنظر رکھتے ہوئے مہاجر وانصار کے درمیان ایک تحریری معاہدہ مرتب فرمایا جس (معاہدہ) میں یہود کو بھی شامل کر لیا گیا جس کی رو سے انہیں اپنے دین پر قائم رہنے میں

پوری آزادی دی گئی اوران کے مال وجائیداد کی باہمی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال دی گئی۔

متنِ قراردادِ معاہدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ معاہدہ ہے جو محمد نبی (ﷺ) کی نگرانی میں مندرجہ ذیل طبقات وقبائل میں ہوا۔

مہاجر مسلمان، قریش مکہ اور انصار (مسلمانان یثرب اور ان دونوں کے ساتھ جو جو غیر مسلم طبقات وگروہ ملحق ہیں) کے درمیان جس کے شرائط یہ ہیں:

1- مہاجرین وقریش ایک ہی جماعت ہیں۔

2- مہاجرین جو قریش مکہ میں سے ہیں فوجداری جرائم پر اپنے آدمیوں کی طرف سے (دوسروں کو اور خود آپس میں بھی) مقررہ دیت یا خون بہا ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

3- اور اگر ان کے کسی آدمی پر کسی نے ایسا ظلم کیا جو فوجداری میں آسکتا ہے تو وہ اس کی دیت یا خون بہا وصول کرنے کے مستحق بھی ہوں گے۔ اور فدیہ یا دیت کی صورت میں قریش اور ان کے مقابل ہر دو کو ادا کردہ رقم یا مال کے عوض میں اپنے آدمی کو قید سے رہا کرانے کا حق ہوگا۔

4- مدینہ کے رہنے والوں میں بنوعوف کے حقوق کا وہی لحاظ ہوگا جو ان میں پہلے سے رائج ہے جس کے مطابق انہیں دیت اور خون بہا لینے اور ادا کرنے کی پابندی کرنا ہوگی اس معاملہ میں کسی فریق کو کسی پر ترجیح یا تفوق نہ ہوگا (*)۔

5- ادائے دیت اور خون بہا دینے کی صورت میں مسلمان اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے کوئی اور راستہ نکالنے کی کوشش نہ کریں گے۔

6- کوئی مومن دوسرے مومن کے غلام پر قبضہ نہ کرے گا۔

7- مسلمانوں کا فرض ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی شخص پر زیادتی کرے تو سب مل کر ایسے شخص کو سزا دیں گے اگرچہ سزا دینے والوں میں سے مجرم کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔

8- مسلمان ایک دوسرے کو کسی کافر کی طرف داری میں قتل نہ کریں گے نہ مسلمان کے خلاف کسی کافر کی نصرت کریں گے۔

خدا تعالیٰ کا ذمہ سب کے لئے مساوی ہے۔

(*) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے انصار مدینہ کے ہر قبیلہ کا نام فرداً فرداً لکھوایا مثلاً بنوحارث وبنوساعدہ وبنوجشم وبنونجار وبنوعمرو بن عوف اور بنوالنبیت۔

9- یہودیوں میں سے جو شخص ہمارے معاہدہ کی پابندی کا وعدہ کرے ہماری نصرت اور یاوری اس کے لئے بھی ہے اس کے دشمن کے مقابلہ میں ہم اس کے دوش بدوش مقابلہ میں شریک رہیں گے۔

10- مسلمانوں میں سب کا درجہ مساوی ہے گر جہاد میں ایک مسلمان دشمنوں سے صلح کرے تو یہ صلح تمام مسلمانوں کو منظور ہوگی لیکن کوئی مسلمان عدل وانصاف چھوڑ کر کفار کے ساتھ صلح نہیں کرسکتا۔

11- غیر مسلمین کا جو لشکر ہمارے ساتھ شریک جہاد ہوگا وہ نوبت بہ نوبت مورچہ پر آئے گا۔

12- کافروں سے بدلہ لینے کے لئے مسلمان ایک دوسرے کی اعانت کریں گے۔

13- مشرکین مدینہ میں جو لوگ معاہدہ میں شریک ہیں ان میں سے کوئی شخص قریش مکہ میں سے کسی کے مال اور جان کو نہ تو پناہ دے گا اور نہ مسلمان کے مقابلہ میں مکہ کے کسی قریشی کی حمایت کرے گا۔

14- اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو اس کے خلاف گواہی حاصل ہونے کے بغیر قتل کر دے گا تو اس شخص سے قصاص لیا جائے گا ماسواء اس صورت کے کہ مقتول کے وارث قاتل کو معاف کر دیں یا دیت لینے پر رضامند ہو جائیں۔

مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے سے ہاتھ نہ روکنا چاہئے اور تمام مومن ایک دوسرے کے دوست دار ہیں۔

<u>یہود کے لئے:</u>

15- تمام مسلمان اس معاہدہ پر متفق ہیں اور وہ اس میں سے کسی دفعہ کا انکار نہیں کر سکتے جس مسلمان نے اس معاہدہ کا اقرار کر لیا وہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔

16- کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مجرم کو پناہ دے۔ ایسے شخص پر قیامت کے روز خدا اور اس کے رسول کی لعنت اور غضب ہوگا اور اس کی کوئی نیکی قبول نہ ہوگی اور نہ قیامت کے روز اس شخص سے ایسے گناہ کے عوض میں کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا۔

17- مسلمان اپنے باہمی اختلاف میں خدا اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہیں۔

18- اگر مسلمان جہاد میں اپنا مال خرچ کریں تو یہود کو بھی ان کے ساتھ اپنا مال خرچ کرنا ہوگا۔

19- قبیلہ بنی عوف کے یہود بھی اس معاہدہ میں شامل ہیں اگرچہ مسلمان اور یہودی ہر ایک اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے کا مستحق ہوگا لیکن مشترکہ مقاصد میں دونوں ایک جماعت کے حکم میں داخل ہوں گے۔

-20 مسلمان اور یہود دونوں کے غلام اپنے اپنے آقاؤں کے مطابق معاہدہ میں داخل شمار کئے جائیں گے۔
شرکائے معاہدہ میں جو شخص ان واقعات کی خلاف ورزی کرے گا وہ اپنی ذات اور اپنے گھربار کے نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا۔

-21 (دفعہ 19 کے مطابق) مندرجہ ذیل یہودی قبائل بھی اس معاہدہ میں شامل سمجھے جائیں گے یعنی بنونجار، بنوحارث، بنوساعدہ، بنوجشم، بنواوس، بنوثعلبہ، بنوجفنہ، بنوشغیبہ اور وہ لوگ بھی جو ان میں سے کسی قبیلہ کے ساتھ منضم ہیں اس معاہدہ میں شامل سمجھے جائیں گے۔

-22 بنوثعلبہ کے غلام بھی اس معاہدہ میں شریک متصور ہوں گے۔

-23 اس معاہدہ میں سے کوئی شخص (جناب) محمد (ﷺ) کی اجازت کے بغیر مستثنیٰ قرار نہ دیا جائے گا۔

-24 ہر قاتل سزا کا مستحق ہوگا۔

-25 جو شخص کسی کو فریب سے قتل کرے گا اس کا ذمہ دار اس کا اصل قاتل ہوگا اور اگر وہ مفرور ہوگیا تو قاتل کے ورثاء سے انتقام لیا جائے گا۔

-26 لیکن جب کسی مظلوم کے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو یہ قتل پہلی صورت (نمبر 25) سے مختلف ہوگا (یعنی اس پر مواخذہ کم کر دیا جائے گا یا بالکل ساقط ہوگا: م:)

-27 کسی شخص کو اپنے حلیف کے جرم کی وجہ سے ماخوذ نہ کیا جائے گا لیکن مظلوم کی دادرسی بہرصورت کی جائے گی۔

-28 مسلمانوں کی لشکرکشی کی حالت میں یہود کو بھی ان کی مالی اعانت کرنا ہوگی کیونکہ حلیف کے لئے دفع مضرت اپنے نفس کی حفاظت کے مطابق کرنا چاہئے جب تک کہ اس کی جانب سے ضرر نہ پہنچے یا اس کے ذمہ کوئی جرم عائد نہ ہو۔

-29 حلیف کے مقدمات خود انہی کی طرف سے قابل سماعت متصور کئے جائیں گے۔

-30 اس معاہدہ کے مطابق طبقات و افراد میں سے شخص سے خلاف ورزی ہو یا اس سے کوئی خطرہ لاحق ہو تو اسے خدا اور اس کے رسول (محمد) ﷺ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا اور نفس معاہدہ کی حقیقی پابندی اللہ کے سواء کسی پر منکشف نہیں ہوسکتی۔

-31 اس معاہدہ کے مطابق نہ تو قریش کو پناہ دی جاسکتی ہے نہ ان کے کسی مددگار کو۔

-32 اگر مدینہ پر کوئی قوم حملہ کرے تو دشمن کی مدافعت میں سب کو مل کر حصہ لینا ہوگا۔

33- اگر مدینہ پر حملہ آور لشکر مسلمانوں سے صلح کرنا چاہے تو معاہدہ کے شرکاء کو متفق ہو کر دشمن سے صلح کرنا ہوگی۔

34- اسی طرح اگر مسلمانوں کے سوا دوسرے شرکائے معاہدہ پر حملہ ہوا اور وہ لوگ جن کی وجہ سے حملہ ہوا ہے دشمن سے صلح کرنا چاہیں تو مسلمان ان کے ساتھ اس معاہدہ کے پابند ہوں گے باستثنائے اس معاملہ کے جس میں شرکائے معاہدہ میں سے کسی کے دین پر زد پڑتی ہو۔

35- شرکائے معاہدہ میں ہر شخص کو اسی قدر استحقاق ہوگا جتنا حق اس کی قوم یا اس کے گروہ کے ساتھ طے کیا گیا ہے۔

36- قبیلہ اوس کے یہود اور ان کے غلاموں کو دوسرے معاہدین پر کوئی ترجیح نہ ہوگی۔ ان سب میں جو شخص پرہیزگاری کے ساتھ معاہدہ پر عمل پیرا ہوگا عنداللہ وہ بہتر ہوگا کہ نیکی اور بدی دونوں کا فرق واضح ہے اور یہ قرارداد معاہدہ کسی ظالم اور مجرم کی حمایت نہ کرے گی۔

37- شرکائے معاہدہ میں سے اگر کوئی شخص مدینہ میں اپنی سکونت رکھے یا اس کے باہر بسیرا کرے ارتکاب جرم کے بغیر اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔

خاتمہ! اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن وسلامتی ہے اس شخص کے لئے جو نیکی کا طلب گار اور خدا سے ڈرنے والا ہو! (فقط)

یہ تحریری معاہدہ ہے جس کی رو سے جناب محمد (ﷺ) نے آج سے تقریباً سوا چودہ سو سال قبل معاشرہ انسانی میں ایسا ضابطہ قائم کیا جس سے شرکائے معاہدہ میں سے ہر گروہ اور فرد کو اپنے اپنے عقیدہ میں آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی اموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی ارتکاب جرائم پر گرفت ومواخذہ نے اپنا دباؤ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی (شہر مدینہ) اس میں رہنے والوں کے لئے امن کا گہوارہ بن گئی۔ غور فرمائیے کہ سیاسی اور مدنی زندگی کو ارتقاء کا کتنا بلند مرتبہ حاصل ہوا جس سیاست ومدنیت (دونوں) پر ابھی تک دست استبداد مسلط تھا اور دنیا فساد وظلم کا معمل بنی ہوئی تھی۔

ابتدا میں یہود مدینہ کے (3) خاندان اس معاہدہ میں شریک نہ تھے بنو قریظہ' بنو نضیر اور بنو قینقاع! لیکن یہ تینوں قبیلے بھی تھوڑے عرصہ کے بعد شامل ہو گئے معاہدہ کی پابندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر (مدینہ) اور اس کا سواد اس میں بسنے والوں کے لئے حرم (امن کی جگہ) بن گیا۔ انہوں نے اپنا فرض سمجھ لیا کہ اگر کسی نے ہمارے شہر پر حملہ کیا تو ہمیں اس کی حرمت قائم رکھنے کے لئے اپنا خون بہانے میں تامل نہ ہوگا اور وہ ہر ایسے معاملہ میں اپنے رفقاء کی معاونت کریں گے تاکہ جس شہر میں رہتے ہوئے انہوں نے معاہدہ کیا ہے اس شہر کی عزت ورفعت پر حرف نہ آئے۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری مرحوم اپنے ترجمہ اور تصنیف 'الرحیق المختوم' کے صفحہ 319 پر لکھتے ہیں کہ اس معاہدے کے طے ہو جانے سے مدینہ اور اس کے اطراف ایک وفاقی حکومت بن گئے جس کا دارالحکومت مدینہ تھا اور جس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے۔

پرویزؒ اپنی تصنیف 'معراجِ انسانیت' کے صفحہ 229 پر اس معاہدے کے متعلق رقم طراز ہیں:

اس طرح مدینہ میں اندرونی سازشوں اور بیرونی خدشات کے امکانات کو کم کرنے کے بعد' نبی اکرم ﷺ اپنی جماعت کی تعلیم و تربیتِ خصوصی کی طرف متوجہ ہو گئے کہ اصل کام ان افرادِ صالحہ کو ایک خیر امت میں تبدیل کر کے انہیں عالمگیر انقلاب کا اولین خمیر بنانا تھا تا کہ' اس کے بعد' وہ نوعِ انسانی کے جس آٹے میں جا کر ملیں' اس میں بھی وہی خمیر پیدا ہو جائے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً -(2:143)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہنامہ طلوع اسلام

☆طلوع اسلام بلند پایہ علمی پرچہ ہے۔☆ پاکستان کے ہر گوشے اور ہر طبقے میں گہری دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔ ☆ پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جاتا ہے۔☆اس میں شائع شدہ اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔اس میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

اشتہارات کے REVISED نرخ یہ ہیں

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
بیرونی ٹائٹل	-/1500روپے	-/15000روپے
اندرونی ٹائٹل	-/1200روپے	-/12000روپے
اندرون صفحات		
پورا صفحہ	-/1000روپے	-/10000روپے
نصف صفحہ	-/500روپے	-/5000روپے
چوتھائی صفحہ	-/250روپے	-/2500روپے

☆مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔☆اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے۔

☆اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ ثانی، پشاور

شرافت کا پیکر چل بسا

(محمد شریف لون مرحوم سابق چیئرمین ادارہ)

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ انسان نے کئی سچائیوں سے انکار کیا ہے۔ یہاں تک کہ ذات باری تعالیٰ سے بھی انکار کیا ہے لیکن اگر نہیں کیا اور نہ کر سکا تو وہ صرف موت کی سچائی ہے جس سے انکار ناممکن ہے۔ آخر ایک لمبی بیماری کے بعد اسم مسمّٰی محمد شریف لون نے بھی اسیران فکر قرآنی کو دنیاوی زندگی میں چھوڑتے ہوئے خود کو آزاد کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ فکر قرآنی کے رفقاء پر لون صاحب کی موت کی خبر بجلی بن کر گری ہوگی۔

ایک فریضہ سمجھتے ہوئے ان کے لئے عقیدت کے چند کلمات ارسال خدمت ہیں۔ ہر روز کئی محمد شریف نام کے لوگ فوت ہوتے ہوں گے لیکن محمد شریف لون ایک ایسی شخصیت تھے جن کی زندگی کا مقصد لوگوں تک آوازِ قرآن پہنچانا تھا۔ مرحوم نے جہاں بھی زندگی کے ایام سرکاری ملازمت کے سلسلے میں گزارے بہت ہی اچھے گزارے۔ مرحوم کی جہاں تمام زندگی قرآن کریم کی خدمت میں گذری وہ ایک طرف، اور دوسری طرف طلوع اسلام کی چیئرمین شپ کی زندگی شاید برابر ہو۔ مرحوم کو پرویز علیہ الرحمہ کی شاگردی اور ان سے قرآن فہمی کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ ہر شخص کے ساتھ اتنے پیار اور محبت سے ملتے تو یوں گماں ہوتا جیسے محمد شریف لون میرے ہی ہیں۔ مرحوم نے سینکڑوں فکر قرآنی کے رفقاء میں خلوص، شرافت، ہمدردی، بے کسوں کی حوصلہ افزائی، پیار اور محبت بطور ''لون'' (قرض) دیا۔ یہ لون ہر صورت میں اسیران فکر قرآنی کو ادا کرنا چاہئے جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مرحوم کے لئے ادارہ طلوع اسلام میں ایک ریفرنس کا اہتمام کیا جائے تاکہ زندہ لوگوں کو یہ احساس ہو کہ فکر قرآن سے وابستہ لوگ کبھی نہیں مرتے اگرچہ آنکھوں سے اوجھل ضرور ہو جاتے ہیں۔ مرحوم نے اپنی آپ بیتی لکھی ہے۔ سرکاری ملازمت کے دوران وہ جہاں بھی رہے اپنی یادداشتیں اور مشاہدات کو کاغذ پر قید کر دیا۔

اگر چہ ان کی کتاب کا نام ممکن ہے، عام فہم نہ ہو لیکن ہے ایک شاہکار نام یعنی ''لعبت خاک کے مشاہدات'' جس کے معانی ہیں۔ ''مٹی کے کھلونے نے جو کچھ دیکھا'' ان کی کتاب سے ایک مختصر اقتباس پیش خدمت کرتا ہوں۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ مرحوم عملی مشاہدات کے قائل تھے۔ جہاں بھی ان کو محسوس ہوا کہ ایک ''صاحب مرشد'' موجود ہیں۔ وہیں جا کر مرحوم نے مرشد ہو یا اس کے مرید قرآن کا پیغام پہنچایا۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ جس سینے میں قرآن موجزن ہو وہاں کوئی دوسرا نہیں سما سکتا۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ O كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ O فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ (74:49-51)۔

ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ قرآن سے اس طرح منہ موڑے ہوئے ہیں جس طرح بدکنے والے گدھے شیر کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔

مرحوم صفحہ 254 پر رقمطراز ہیں کہ:

1963ء میں ان کا قیام پانچ سال کے لئے سرگودھا میں ہوا۔ شہر میں ایک ملک صاحب مرشد کے لقب سے مشہور تھے۔ موصوف نے ایک نیا فلسفہ پیش کیا کہ انسان کو جو موت آتی ہے۔ یہ اس کی نحوست ہے۔ جس کا سبب بڑھاپا ہے۔ یہ انسان بے قصور جانوروں کا گوشت کھاتا ہے۔ شہد کی مکھی بڑی محنت سے شہد اکٹھا کرتی ہے۔ یہ اس کو بھی کھا جاتا ہے۔ جنگل میں کبھی کسی شیر۔ ہاتھی۔ ہرن یا دیگر جانوروں کو بڑھاپا نہیں آتا۔ لہٰذا ان کو موت نہیں آتی۔ اس نے بھی ایسا بندوبست کر لیا ہے کہ نہ کسی انسان کو بڑھاپا آئیگا اور نہ ہی موت آئیگی۔ اس نے موت پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ اس کے مریدوں کی خاصی تعداد تھی۔ بزم طلوع اسلام کا ایک رکن بھی اس کا مرید بن گیا اور تمام لٹریچر لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ نمائندہ صاحب کم تعلیم یافتہ تھے۔ سونے کی صفائی یعنی نیاریا کہلاتے تھے۔ سونے کو جب کٹھالی میں پگھلایا جاتا ہے تو ایک خاص قسم کی گیس خارج ہوتی ہے جو حلق کو پکڑتی ہے اور گلہ خراب ہوتا ہے۔ نیاریا شہد کھا کر گلے کے گیس کے اثرات زائل کر دیتا تھا۔ مگر مرشد نے سمجھایا کہ شہد کی مکھیاں میلوں سفر کر کے ایک ایک ذرہ جمع کر کے شہد اکٹھا کرتی ہیں۔ نیاریا صاحب کو شہد کی بجائے اس نے شراب کے استعمال کی اجازت دے دی۔ فرماتے ہیں کہ میں مرشد کے پاس گیا۔ پوچھا کس نے پتہ دیا ہے کہ تم یہاں آئے ہو۔ میں نے بتایا کہ مجھے آپ کے فلسفہ سے دلچسپی ہے۔ مجھے بھی چند باتوں کی وضاحت کے بعد اپنے حلقہ میں شامل کر لیں۔ پہلی بات تو

میں نے اس سے یہ دریافت کی کہ میونسپل کمیٹی کے نئے الیکشن میں وہ بری طرح ناکام ہوا ہے کیا ایک بکس سے پرچیاں وہ اپنے بکس میں منتقل نہیں کرا سکا تو موت کو کیسے کنٹرول کرے گا۔ میں نے اسے بتایا کہ جنگل میں جنگل کا قانون چلتا ہے۔ شیر جب تک طاقتور رہتا ہے دوڑ کر دوسرے جانوروں کو شکار کر لیتا ہے جانور ہرن ہوں یا بکری یا گائے وہ ذرا کمزور ہوں دوڑنے کی طاقت کم ہو تو شیر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بڑھاپے کی نوبت ہی کہاں آتی ہے شیر جب شکار کرنے کے قابل نہیں رہتا تو اپنی کچھار میں پڑا ہوا خوراک نہ ملنے کی وجہ سے موت کا شکار ہو جاتا ہے۔''

مرحوم کے مشاہدات یقیناً سبق آموز ہیں۔ وہ ہم میں نہ رہے لیکن ان کی یادیں عرصہ تک رہیں گی۔ ان کی نذر کرتا ہوں۔ ؎

تو جیسے مِرے پاس ہے اور محوِ سخن ہے
محفل سی سجا دیتی ہیں اکثر تیری یادیں

☆☆☆☆☆☆☆☆

اہم اعلان

ادارہ طلوع اسلام کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ماہنامہ طلوع اسلام کی

فی شمارہ قیمت 25 روپے سال بھر کے لئے قیمت 300 روپے۔

آپ کی شکایت

یہ بھی درست کہ رسالہ نہیں پہنچا یا وقت پر نہیں ملا **اور یہ بھی** کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی یا اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی۔ لیکن کیا آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ آپ نے

1- تبدیلی پتہ کی بروقت اطلاع دی ہے یا نہیں۔ 2- خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر لکھا ہے یا نہیں۔

3- زرِ شرکت ادا ہوا ہے یا نہیں۔ 4- اپنے علاقے کے پوسٹ کوڈ کی اطلاع دی ہے یا نہیں۔

ماہنامہ طلوع اسلام کے معزز قاری حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنا رابطہ نمبر ادارہ طلوع اسلام کو ضرور ارسال فرمائیں۔ شکریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عطاء الحق قاسمی
attaul.haq@janggroup.com.pk

اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے؟

دنیا کے بیشتر مسلم ممالک میں مغربی اور اسلامی تہذیب کے درمیان ایک کشمکش جاری ہے۔ مجھے متعدد مسلم ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا ہے' وہاں شہروں میں مغربی تہذیب مکمل طور پر حاوی نظر آتی ہے۔ ان ملکوں میں روشن خیالی کا وہی تصور ہے جو مغربی ممالک میں پایا جاتا ہے' چنانچہ ساحل سمندر کی بے لباسیاں نہیں تو نیم لباسیاں یہاں بھی نظر آتی ہیں۔ نائٹ کلب اور باریں جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ ریستورانوں کے مینیوز میں سور کی ڈشز بھی ہوتی ہیں اور ان چیزوں کو سیاحت کے فروغ کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ دنیا بھر سے لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں سیاح یہاں آتے ہیں اور اس روشن خیالی سے پوری طرح ''مستفید'' ہوتے ہیں۔ دوسری طرف یہاں نہایت خوبصورت مساجد بھی ہیں اور مسلم تہذیب اور قدروں کے مطابق عوام کو زندگی گزارنے کے مواقع بھی میسر ہیں۔ کسی شاعر کا ایک شعر ہے۔

رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

اس کے برعکس پاکستان اور دو تین دوسرے مسلم ممالک میں مغربی تہذیب کے مظاہر نظر نہیں آتے۔ ان ملکوں میں نہ شراب خانے ہیں نہ نائٹ کلب ہیں اور نہ لبِ ساحل کی بے لباسیاں ہیں تاہم اندرونِ خانہ وہ سب کچھ ہوتا ہے جو مغرب میں ہوتا ہے۔ اگر ثنا خوانِ تہذیبِ مشرق کو ان سرگرمیوں کا پوری طرح اندازہ ہو جائے تو وہ صدمے سے فوت ہو جائیں۔ ہمارے علماء جن قدروں کو اسلام کے منافی سمجھتے ہیں' ان پر پوری سختی سے گرفت کرتے ہیں چنانچہ حکمران اگر چاہیں بھی تو وہ من مانی نہیں کر سکتے۔ سو ہم لوگ ان تمام برائیوں سے بچے ہوئے ہیں جو مغربی تہذیب کے بعض پہلو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس کے برعکس کم تولنے' جھوٹ بولنے' وعدہ خلافی کرنے' اشیائے خورونوش میں ملاوٹ کرنے' جعلی ادویات بنانے' رشوت لینے' فراڈ اور غبن کرنے' سمگلنگ کرنے اور اس طرح کی دوسری معاشرتی برائیوں کے خلاف ہمارے علماء کی طرف سے وہ مزاحمت نہیں پائی جاتی جو فرد کی ذاتی زندگی کے حوالے سے موجود ہے چنانچہ ہمارے ہاں یہ سب گناہ ضمیر کی خلش کے بغیر کئے

جاتے ہیں جبکہ جن مسلم ملکوں کا میں نے ذکر کیا ہے' وہاں مغربی تہذیب کی عریانیاں تو موجود ہیں لیکن ان قدروں کی ''عریانی'' کی اجازت نہیں جو انسان کے باطن کو بے لباس کرتی ہیں۔ وہاں کسی کی مجال نہیں کہ وہ لوگوں کی زندگیوں سے کھیل سکے۔ وہاں آپ دن اور رات کے کسی بھی لمحے میں پورے اطمینان کے ساتھ گھر سے نکل سکتے ہیں کوئی راہزن آپ کی طرف میلی نظروں سے نہیں دیکھ سکتا۔ وہاں ہر ایک کو اپنے اپنے نظریئے کے مطابق زندگی گزارنے کا حق اور مواقع میسر ہیں تاہم ''چھڑی گھمانے'' کی یہ آزادی صرف اس وقت تک ہے جب تک یہ چھڑی کسی دوسرے کی ناک سے نہ جا ٹکرائے۔

بطور مسلمان میری خواہش ہے کہ ہم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوں' آدھا تیتر آدھا بٹیر' یا میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو والا اسلام' اسلام نہیں بلکہ حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں کی ملی بھگت سے تیار کردہ وہ ''گتاوا'' ہے جسے اسلام کا نام دے دیا گیا ہے۔ میں ان دنوں دوبئی میں ہوں' یہاں وہ سب کچھ نظر آتا ہے جس کا حوالہ میں نے مسلم ممالک کے ذکر میں کالم کے آغاز میں دیا ہے۔ دوبئی میں اسلامی قدروں اور مغربی قدروں کے مطابق زندگی گزارنے کی پوری آزادی ہے چنانچہ ان دونوں قدروں کے موازنے کے بعد جو جس طرف جانا چاہے' وہ اس طرف چلا جاتا ہے کہ اس کے لئے دیر و حرم اور مے خانہ' دونوں کے دروازے کھلے ہیں۔ میں نے اپنے میزبان چودھری نورالحسن تنویر سے اس مسئلے پر تفصیل سے گفتگو کی۔ چودھری صاحب ایک طویل عرصے تک سعودی عرب میں رہے ہیں اور اب چار پانچ سال سے دوبئی میں اپنا کاروبار چلا رہے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اسلام بزورِ شمشیر نافذ نہیں کیا جا سکتا بلکہ جن ملکوں میں بھی اسلام پھیلا ہے وہ فاتحین نہیں' صوفیاء کی تعلیمات اور ان کی پاکیزہ عملی زندگیوں کے طفیل پھیلا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام کی مبادیات کے بارے میں تو بحث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن ضروری ہے کہ علماء اور جدت پسندوں کے درمیان دوسرے معاملات پر مکالمہ ہو جس میں دونوں کو اپنی بات کہنے کی آزادی حاصل ہو۔ اس ضمن میں کافر سازی اور لٹھ بازی کی اجازت نہیں ہونا چاہئے جس کا خمیازہ ہم خودکش دھماکوں کی صورت میں پہلے ہی بھگت رہے ہیں بلکہ دونوں فریق پورے تحمل سے اپنا نقطہ نظر پیش کریں جس کے نتیجے میں اصل اسلام اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ سامنے آ سکے اور یوں ہم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو سکیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ عبادات اور معاملات دونوں کو یکساں اہمیت دی جائے۔ نورالحسن تنویر کا کہنا تھا بلکہ انہیں یقین تھا کہ اس مکالمے کی صورت میں ہم مغربی تہذیب کے منفی پہلوؤں سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور ان برائیوں کا سدباب بھی کیا جا سکتا ہے جو ہمارے معاشرتی رگ و پے میں اس بری طرح رچ بس گئی ہیں کہ عوام کی زندگیاں اجیرن ہو چکی ہیں اوفر اوپر سے ان جرائم کے لئے ہم نے عام معافی کا اعلان بھی کر رکھا ہے۔ نورالحسن تنویر کا کہنا تھا کہ اگر ہم اسلام کی

حقانیت پر یقین رکھتے ہیں تو ہمیں اس مکالمے سے خوف نہیں کھانا چاہئے کیونکہ صحیح اسلامی نظام پر کوئی باطل نظام حاوی نہیں ہوسکتا۔ جن مسلم ملکوں میں حکومتی سطح پر مغربی تہذیب کی سرپرستی کی جاتی ہے وہاں دراصل اپنے نقطہ نظر کی کمزوری کا خوف موجود ہے جبکہ ہمارے دل اس خوف سے پاک ہونا چاہئیں۔ انہوں نے اس ضمن میں ترکی کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ وہاں جدت پسند اور اسلام پسند دلیلوں کے ہتھیار سے ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہیں چنانچہ جیت اسلام سے محبت رکھنے والوں کی ہو رہی ہے' تاہم اس فتح کے نشے میں انہوں نے توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا بلکہ مومنانہ حکمت عملی سے وہ معاشرے کو اسلامی قدروں کی طرف لانے کی جمہوری جدوجہد کر رہے ہیں۔

میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ ہمیں ترکی کی مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ اپنے ہدف کی طرف بڑھنا چاہئے کہ موجودہ ظالمانہ اور فاسقانہ نظام کو اسی طرح تہس نہس کیا جا سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اسلام کے رخِ روشن کی شمع جب جلے گی تو پروانے کسی اور طرف نہیں جائیں گے کہ وہ جانتے ہیں کہ خوبصورت زندگی اسی شمع کے طواف ہی سے انہیں مل سکتی ہے۔ سو ایک دفعہ سب کو اپنا اپنا نقطہ نظر کھل کر بیان تو کرنے دیں' جب تک مکالمے کی یہ کھڑکی نہیں کھلے گی پاکستانی قوم کے دل و دماغ تازہ ہوا اور اس تازہ ہوا کے ثمرات سے محروم ہی رہیں گے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور' 1-3-2012)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محترم خریدارانِ طلوع اسلام!

آپ کو مجلّہ طلوع اسلام جب بذریعہ ڈاک موصول ہو تو براہِ کرم لفافہ کو پھینکنے سے پہلے اس کے اوپر اپنے زرِشرکت سے متعلق تحریر کو ضرور پڑھئے جس پر آپ کا خریداری نمبر اور جس مہینہ اور سال تک آپ نے زرِشرکت ادا کیا ہو' وہ مہینہ اور سال اس طرح لکھا ہوتا ہے:

Subscription Paid Up to 12/2010/20

اس طرح آپ کو ادا شدہ یا واجب الادا زرِشرکت سے متعلق ایک نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا رہے گا۔ نیز زرِشرکت بھیجتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ ایڈریس کی تبدیلی کی صورت میں مہینہ کی 15 تاریخ تک ادارہ کو مطلع کیجئے تاکہ اس ماہ کا پرچہ آپ کے نئے پتہ پر ارسال کیا جا سکے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر ازہر ازہری

کیا ہم مسلمان ہیں؟

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ صالح علیہ السلام کی قوم میں نو (9) گروہ (فرقے) تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے اور قوم کی بھلائی اور اصلاح کے لئے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

''اس شہر میں نو گروہ تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے اور کوئی اصلاح کا کام نہیں کرتے تھے۔'' (سورۃ النمل 27:48)

ابوداؤد نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ قوم یہود (بنی اسرائیل) بہتر (72) فرقوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔

(سنن ابوداؤد' مطبوعہ اسلامی اکادمی' اردو بازار' لاہور' جلد 2' ص 448)

مسلم علماء نے روایت میں بیان کئے ہوئے بہتر (72) بنی اسرائیلی فرقوں کو اہل اسلام سے منسوب کر دیا اور آج یہ حال ہے کہ ہر فرقہ خود کو ہدایت یافتہ اور ناجی (نجات پانے والا) اور باقی اکہتر (71) کو گمراہ اور ناری (دوزخی) قرار دیتا ہے اور ان پر کفر کے فتوے لگاتا ہے۔ جو لوگ فرقہ بندی اور فرقہ سازی کے خلاف ہیں وہ تمام کے تمام بہتر فرقوں کو ملعون گردانتے اور انہیں اعتراض کا نشانہ بناتے ہیں لیکن نظریاتی تعصب اور گروہی عصبیت کے سبب انہوں نے خود ایک فرقہ کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ بہتر (72) فرقوں کو تنقید کا نشانہ بنانے والے خود بھی کئی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کی افرادی قوت معروف فرقہ بندوں اور فرقہ سازوں سے کم ہے۔ برائی ہر حال میں برائی ہے۔ کمیّت (مقدار Quantity) اور (کیفیت Quality) میں کمی بیشی سے اس کے درمیان کوئی جوہری (صفتی Merital) فرق واقع نہیں ہوتا۔ فرقہ بندی' فرقہ سازی' فرقہ نوازی اور فرقہ پرستی کے خلاف قرآن کی ان آیات کو ہمیشہ نظر میں رکھیں۔ آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ نے کتنے واضح اور غیر مبہم انداز میں لوگوں کو فرقہ سازی سے روکا تھا لیکن انہوں نے بھی کتنے واضح اور غیر مبہم انداز میں فرقہ بازی کو ایک دلچسپ مشغلہ کے طور پر اپنایا اور نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ امت مسلمہ کو فرقہ در فرقہ تقسیم کر دیا۔

(1) سورۃ آل عمران' (3:103)-

(2) سورۃ آل عمران (3:105)-

(3) سورۃ الروم (30:31-32)-

(4) سورۃ الانعام (6:160)-

مذہب کو دین کا نام دے کر اہل اسلام کی یکجہتی کو پارہ پارہ کرنے والے فتنہ پرور اور فتنہ پرداز فرقہ پرستوں کے اسی اقدام کا نتیجہ ہے کہ آج ہمیں قدم قدم پر حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی، اسمٰعیلی، قادیانی، اہل قرآن، اہل حدیث، ذکری، نصیری، بوہری، بہائی، بابی، دروزی، ظاہری، باطنی، چشتی، سہروردی، قادری، نظامی، جماعتی، تبلیغی، جمعیتی، تنظیمی، جماعت المسلمین، جمیعت الانصار، حزب اللہ، حزب التحریر وغیرہ وغیرہ سے تعلق رکھنے والے آدمی تو نظر آتے ہیں لیکن خود کو صرف اور صرف مسلمان کہنے اور سمجھنے والا دین خالص اور ایمان کامل کا حامل وہ انسان نظر نہیں آتا جو اللہ کی کتاب القرآن میں دیئے گئے احکام کا پابند اور القرآن ہی میں پیش کئے گئے اللہ کے آخری رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ کی اتباع اور پیروی کرنے والا ہو۔

قرآن بھی موجود ہے اسلام بھی موجود
آواز دو مسلم کو مسلمان کہاں ہے

ہمارا ذہنی، فکری، علمی اور عملی تعلق نہ تو مذکورہ بالا کسی فرقہ، گروہ، جماعت، مسلک اور مکتب فکر سے ہے اور نہ ان کے علاوہ کسی یک رنگی (لسانی، سیاسی، مذہبی)، دو رنگی (نیم مذہبی/نیم سیاسی) یا بے رنگی، علاقائی، غیر علاقائی اور تصوف کا حوالہ رکھنے والی کسی تنظیم سے۔ الحمدللہ ہم صرف اور صرف مسلمان ہیں اور خود کو مسلمان کہتے ہی نہیں سمجھتے بھی ہیں۔ وہ لوگ جن کے نزدیک کسی جماعت، مسلک اور مکتب فکر سے تعلق رکھے بغیر کوئی انسان مسلمان نہیں بن سکتا ان کی خدمت میں عرض ہے کہ ہمارا تعلق قرآن میں بیان کی ہوئی ''حزب اللہ'' (اللہ کی جماعت) سے ہے اور:

فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (5:56)-

بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔

أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (58:22)-

خبردار رہو اللہ کی جماعت والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ کی جماعت میں وہ تمام اہل اسلام اور اہل ایمان شامل ہیں جنہوں نے فکر و شعور کی بنیاد پر اسلام اور ایمان

کے تقاضوں کو اپنایا اور اپنی امکانی حد تک ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن کی بیان کی ہوئی ''حزب اللہ'' (اللہ کی جماعت) سے وابستگی ہی مسلم حنیف (3:67) کی پہچان ہے اور اپنے ساتھ دین کے حوالہ سے کوئی دوسری شناخت لگانا دراصل اپنی ذات' اپنے گروہ یا اپنی جماعت اور اللہ کی جماعت کے درمیان فرق پیدا کرنا ہے۔ دو چیزوں کے درمیان فرق پیدا کرنا ہی دراصل فرقہ بندی ہے اور اسی فرقہ بندی پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

جو لوگ قرآنی ''حزب اللہ'' (اللہ کی جماعت) کی شناخت کی جگہ اپنے ساتھ کوئی دوسری شناخت لگا لیتے ہیں وہ قرآن کے بیان کے مطابق ''حزب الشیطان'' (شیطان کی پارٹی) میں شامل ہو جاتے ہیں اور:

أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (58:19)-

خبردار! شیطان کی پارٹی کے لوگ ہی خسارہ میں رہنے والے ہیں۔

جہاں تک مسلک اور مکتب فکر کا تعلق ہے ہمارا مسلک اور مکتب فکر وہی ہے جو اللہ کے آخری رسول ﷺ کا تھا اور آپ ﷺ نے کتاب اللہ کی روشنی میں جس کی تعلیم اپنے اصحاب (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کو دی تھی۔ اگر آپ میں سے کوئی اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا مسلک اور مکتب فکر بھی جناب رسول ﷺ کے مسلک اور مکتب فکر کے مطابق ہے تو اسے اپنی بات کی صحت کی تصدیق اللہ کی کتاب سے کرانی ہوگی۔ **فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟** پھر ہے کوئی اس بات کو سمجھنے والا؟

البتہ یہ نکتہ ذہن میں رکھیں کہ ہم فرقہ سازوں کے تسلیم شدہ بزرگوں کے عقائد اور اعمال سے ہزار اختلافات رکھنے کے باوجود ان کے استخفاف اور بے احترامی کے قائل نہیں ہیں۔ عربی زبان کے مشہور مقولہ **انظر الی ماقال' لا تنظر الی من قال.** (یہ دیکھو کہ کہنے والے نے کیا بات کہی ہے' یہ مت دیکھو کہ کہنے والا کون ہے) کو ذہن میں رکھ کر **خذما صفا ودع ماکدر** (جو بات اچھی ہو اسے قبول کر لو اور جو اچھی نہ ہو اسے چھوڑ دو) کے مطابق ہم ہر قسم کی جماعتی' گروہی' مسلکی' مکتبی اور مذہبی وابستگی سے قطع نظر کسی بھی شخص کی طرف سے پیش کی گئی ہر اس اچھی بات کو قبول کرنے کے لئے آمادہ رہتے ہیں جو قرآن کی دی ہوئی تعلیمات اور قرآن میں بیان کردہ اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق ہو اور ان دونوں چیزوں کے خلاف نہ ہو۔

کہ حکمت کو اک گمشدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

ہر قسم کے ابہام کو دور کرنے اور کسی قسم کی غلط فہمی کو پیدا ہونے سے روکنے کے لئے ہم نہایت واضح الفاظ میں یہ

بات دہرا دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے سطور بالا میں ''اسوۂ رسول ﷺ'' کا ذکر کیا ہے ''سنت رسول ﷺ'' کا نہیں۔

''اسوۂ رسول ﷺ'' سے مراد جناب رسول ﷺ کی ذات سے منسوب وہ اقوال اور اعمال ہیں جن کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب ''القرآن'' میں کر کے انہیں لوگوں کے لئے نمونہ قرار دیا ہے تا کہ وہ ان کی پیروی اختیار کریں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيراً -(33:21)

درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

رسول ﷺ کے حوالے سے آپ ﷺ کے نام سے جڑا ہوا ''سنت'' کا لفظ پورے قرآن میں کسی ایک مقام پر بھی موجود نہیں ہے بلکہ ہر جگہ خود اللہ جل جلالہٗ کے نام کے ساتھ ''سنت اللہ'' کی شکل میں لکھا ہوا نظر آتا ہے' دیکھیں سورۃ احزاب 33 کی آیات 38 اور 62۔ مذہبی علماء نے ''اسوۂ رسول ﷺ'' کو نظر انداز کر کے رسول ﷺ کی وفات کے ڈھائی سو سال کے بعد تیسری صدی ہجری میں سینکڑوں سال تک منہ زبانی کہی اور سنی گئی نا قابل بھروسہ روایتوں کو رسول کی ''سنت'' قرار دے کر ایک ایسے نا قابل معافی جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا بے شک اس دنیا میں کوئی انہیں نہ دے سکے لیکن یوم حشر اللہ کی طرف سے ان کا سخت محاسبہ ضرور ہوگا۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں قدرت کی تعزیریں!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوع اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں 275 روپے فی جلد علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

70, 72, 73, 75, 76, 77, 83, 84, 85, 86, 87, 88, 91, 94, 98, 2000, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010

ساجد بک سٹور' فتح پور' سوات میں طلوع اسلام کا لٹریچر' کتب' رسالہ و پمفلٹس دستیاب ہیں۔

برائے رابطہ: خورشید انور' 0315-9317755

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن

ibne_sina@hotmail.com

IT ٹیلی مواصلات۔علم اور ترقی کا راستہ

انفارمیشن ٹیکنالوجی نے تمام دنیا کو ایک گلوبل ولیج بنا دیا ہے۔اس ٹیکنالوجی نے ترقی پذیر ممالک کے لئے سائنسی بنیادوں پر تیز تر ترقی کی نئی راہیں استوار کرنے کے لئے بہترین مواقع فراہم کئے ہیں۔ پاکستان میں اس ٹیکنالوجی نے صحیح معنوں میں سنہء 2000ء میں اپنے قدم جمائے۔مگر اس کی افادیت کا کسی کو ادراک نہیں تھا۔ مارچ 2000ء سے 2002ء کے دوران وزارتِ سائنس اور ٹیکنالوجی کے زیر استعمال بجٹ میں 6000 فیصد اضافہ کیا گیا' تا کہ نئے ترقیاتی منصوبوں پر کام ہو سکے۔اس وزارت کے تحت 25 بلین روپے کی خطیر رقم سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق مختلف شعبوں میں 310 نئے پراجیکٹ متعارف کروانے کے لئے مختص کی گئی۔اس وزارت کی طرف سے تجویز کردہ IT پالیسی کو حکومتی سطح پر کابینہ سے منظوری ابتدائی چھ مہینوں کے اندر ہی حاصل ہوگئی جس کے بعد پاکستان میں 2000ء سے 2002ء کے دوران ہونے والی IT کے شعبوں میں جو زبردست پیش رفت ہوئی' اس کا حال مختصراً نیچے پیش کیا جا رہا ہے۔ 2000ء سے 2002ء کے دوران سب سے زیادہ فروغ پانے والا شعبہ موبائل ٹیلی مواصلات کا تھا' جس کی کامیابی کے پیچھے موبائل فون چارجز میں خاطر خواہ کمی کا بڑا دخل ہے۔ پہلے موبائل کمپنیاں ٹیلی فون کال کے چارجز' کال کرنے والے اور وصول کرنے والے دونوں صارف سے لیا کرتی تھیں' جس کی بنا پر نچلے اور کم آمدنی والے درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ موبائل فون کا استعمال محض اس وجہ سے پسند نہیں کرتے تھے' کہ وہ آنے والی کال چارجز کا اضافی خرچہ برداشت کرنے کے متحمل نہیں تھے۔اس صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لئے اس وقت کے مشیر برائے وزارتِ سائنس اور ٹیکنالوجی جناب سلمان انصاری کی دور رس تجاویز پر عمل کرتے ہوئے موبائل کمپنیوں کو صرف کال کرنے والے صارف سے کال چارجز وصول کرنے کا اختیار دیا گیا۔ یہ نیا اقدام پاکستان میں ٹیلی مواصلات کی ترقی میں ایک انقلاب انگیز تبدیلی لایا اور یہ سہولت

اب عوام میں مقبولیت کے اعتبار سے انتہائی درجے پر پہنچ گئی ہے۔ جنوری 2001ء تک پاکستان میں صرف 225,000 موبائل فون استعمال کرنے والے تھے۔ آئندہ آنے والے 18 مہینوں میں ہی 500 فیصد اضافے کے ساتھ اگست 2002ء تک موبائل فون رکھنے والوں کی تعداد 1.2 ملین ہوگئی اور اب رواں سال کے دوران یہ تعداد مزید بڑھ کر 100 ملین سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس بناء پر انفارمیشن ٹیکنالوجی کا شعبہ ملکی معیشت میں سب سے زیادہ کامیاب اور ترقی کرنے والے شعبے کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔

-2 اس وزارت کے تحت 2003ء میں پاکستان کا مواصلاتی سیارہ PAKSAT-1 خلا میں بھیجا گیا۔

-3 2000ء 2002ء کے دوران انٹرنیٹ کی پہنچ 29 شہروں سے بڑھا کر کئی گنا کر دی گئی۔ مواصلاتی نظام کی ترسیل کے لئے فائبر آپٹیک کیبل کا جال 40 سے بڑھا کر 400 چھوٹے بڑے شہروں اور قصبوں تک کر دیا گیا اور اس کے نتیجے میں قائم ہونے والے مواصلاتی رابطے کے ذریعے شہر اور دیہی علاقے انٹرنیٹ کی سہولت سے مستفیض ہوئے۔

-4 مواصلاتی کیبل کی bandwidth‘324B سے بڑھا کر 2002ء کے آخر تک 610MB تک کر دی گئی۔

-5 Bandwidth کے ریٹ جو کسی کی غیر دانشمندانہ تجویز کے مطابق 2MB کے لئے 87,000 ڈالر متعین کئے گئے تھے اس میں انتہائی کمی کر کے 2002ء کے آخر تک 3500 ڈالر کر دیئے گئے۔ جو کہ اس خطے میں سب سے کم سطح پر آ گئے۔

-6 انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد جو کہ اگست 2002ء تک 130,000 تھی‘ کئی گنا اضافے کے ساتھ 2002ء کے آخر تک 4 ملین تک پہنچ گئی۔

-7 اس وزارت کے تحت ملک میں IT یونیورسٹیوں کا جال بچھا دیا گیا۔ سندھ‘ پنجاب‘ بلوچستان اور فاٹا کے علاقوں میں سات IT یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ Virtual University, Fast, Comsats ان میں قابل ذکر ہیں۔ ملک کی 34 یونیورسٹیوں میں کمپیوٹر سائنس اور IT کے شعبے قائم کئے گئے اور اس شعبے سے متعلق طلباء کو 1000 کے قریب وظائف دیئے گئے۔

-8 IT کے شعبے کی ترقی کے لئے ملک کی مختلف جامعات کے لئے ایک ہبلین روپے مختص کئے گئے۔ سکولوں کی سطح پر

25,000 اساتذہ کے لئے ایک کمپنی کی مدد سے تربیتی پروگرام متعارف کرائے گئے۔

9- Pakistan Educational Research Work (PERN) کے منصوبے کے تحت 56 پبلک سیکٹر یونیورسٹیوں کو آس میں مربوط کیا گیا۔ اسی نیٹ ورک کے ذریعے HEC نے اپنی Digital Library میں موجود 60,000 تدریسی کتب اور 25,000 بین الاقوامی جرائد تک طلباء کی مفت رسائی کو ممکن بنایا۔

10- Software سے متعلق برآمدات کو 15 سال کے لئے ٹیکس سے چھوٹ دی گئی۔ جس کے نتیجے میں اس شعبے میں ملکی برآمدات 2001ء میں 30 ملین ڈالر کے ہدف کو بآسانی عبور کر کے 800 ملین ڈالر تک جا پہنچی۔

11- پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی کو دی جانے والی درخواست کی پیش رفت کے لئے سات دن کی میعاد مقرر کی گئی۔ پہلے درخواستوں کی منظوری کے لئے ایک سال کی مدت دی گئی تھی۔

12- حکومت کے مختلف محکموں میں کمپیوٹر ٹیکنالوجی کا استعمال عام کر دیا گیا۔ اس کے تحت ملک کے تمام صوبوں اور آزاد جموں کشمیر میں 208 ملین کے منصوبے متعارف کرائے گئے۔

میرے عہدِ وزارت میں دو سالوں کے اندر یہ حیرت انگیز ترقی اس بات کی غماز ہے کہ قیادت ترقی کی خواہاں ہو تو عوام اس عمل میں ان کا ساتھ دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور' 16-2-2012)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک مقدمہ' اقبال۔۔دشمنِ دُنیا و دین؟

محمد علی صابر صدیقی صاحب کا نام محتاج تعارف نہیں ہے۔ ان کے ناول ''بایزید یلدرم'' کے بعد نئی کتاب بعنوان ''ایک مقدمہ۔ اقبال۔ دشمنِ دنیا و دین؟'' شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں ہلکے پھلکے طنز و مزاح کے ساتھ ایک مقدمے کی شکل میں کلام اقبال اور افکارِ اقبال کے متعلق دلچسپ اور پُر مغز بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب 354 صفحات پر مشتمل ہے جو کہ صرف 300 روپے بزم طلوع اسلام' 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔

برائے رابطہ: محمد اکرم راٹھور' موبائل: 0321-4460787

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

فہمِ قرآن کے لئے محترم پرویز کا موقف

محترم پرویز صاحب کا اپنی لغات القرآن کا دفاع

ہماری پیشوائیت نے محترم پرویز کی تصنیف لغات القرآن کے حوالے سے لوگوں میں یہ تاثر دیا ہے کہ جو معانی اس لغت میں دیئے گئے ہیں وہ قرآن کریم کے ان تراجم سے مختلف ہیں جو ہمارے ہاں عام طور پر مروج ہیں۔ اس بنا پر ان پر یکطرفہ طور پر ان کا موقف جانے بغیر کفر کا فتویٰ بھی صادر کیا گیا اور ان کے پیغام کو لوگوں تک پہنچنے سے روکنے کے لئے مذہبی نمائندے ہر جائز و ناجائز حربے آزمانے میں ابھی تک مصروف ہیں۔ انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے محترم پرویز صاحب کے موقف کو بھی سامنے رکھا جائے جو انہوں نے خود زیرِ تبصرہ کتاب کے پیش لفظ میں یوں بیان کیا ہے۔

ہم نے ہر لفظ کے لغوی معانی کی سند میں اس کتاب کا حوالہ دے دیا ہے جہاں سے وہ معانی لئے گئے ہیں اور ارباب علم کے نزدیک ان کی حیثیت مستند ہے۔ ان کتابوں میں البتہ بعض اوقات ان کے مولفین نے (لغوی معانی کے علاوہ) قرآنی تعلیم کے بارے میں خود اپنی رائے بھی دی ہے۔ ہم نے بعض مقامات پر (لغوی معانی سے نہیں) ان آراء سے اختلاف کیا ہے۔ محترم پرویز صاحب کا اور علمی معیار کا بھی موقف یہی ہے کہ اشخاص کی آراء (جن میں محترم پرویز کی اختلافی آراء بھی شامل ہیں) ان کی ذاتی استعداد، رجحانات و میلانات، نیز خود اس زمانے کی علمی سطح اور عام فضا کا نتیجہ ہوتی ہیں جس میں وہ تربیت پاتے ہیں۔ اس لئے دوسروں پر ان آراء کی پابندی لازم نہیں ہوتی اور نہ علمی روش اور قرآن کی تعلیم سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کا اعتراض خود ہمارے ملک کے مروجہ قانون کے بھی خلاف ہے۔

پاکستان کی سپریم کورٹ نے ایک فیصلہ صادر فرمایا جو (P.L.D) کی اشاعت بابت اگست 1980ء میں شائع ہوا۔ اس میں ریٹائرڈ جسٹس محمد شفیع کے ایک فیصلے کا اقتباس بھی دیا گیا ہے، جس میں انہوں نے کہا تھا کہ:

''یہ حقیقت واضح ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنا اور سمجھنا کسی ایک یا دو افراد کی اجارہ داری نہیں۔ اسے

آسان اور قابل فہم زبان میں نازل کیا گیا تھا تا کہ جو مسلمان بھی کوشش کریں اسے سمجھ سکیں اور اس پر عمل بھی کر سکیں۔ اس سے ثابت ہے کہ قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے کا حق ہر مسلمان کو دیا گیا ہے' جسے کوئی شخص' خواہ وہ کتنے ہی بلند منصب پر فائز اور صاحب علم کیوں نہ ہو' اس سے چھین نہیں سکتا۔ قرآن کے سمجھنے کے لئے متقدمین کی تفسیروں سے صرف استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کی تعبیر میں انہیں حرف آخر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے سے مراد اس کی تعبیر ہے اور تعبیر سے مقصود یہ ہے کہ اس کے احکام کو حالات حاضرہ کے تقاضوں اور دنیا کی بدلتی ہوئی ضرورتوں کی روشنی میں نافذ کیا جائے۔ اگر ان مفسرین کی تعبیرات کو جو بارہ تیرہ سو سال پہلے ہو گذرے ہیں' حرف آخر سمجھ لیا جائے تو تمام مسلم معاشرہ ایک فولادی پنجرے میں محبوس ہو جائے گا اور اسے اس کی اجازت ہی نہیں ہو گی کہ وہ زمانے کے ساتھ نشو ونما پا سکے۔ اس سے اسلام ایک عالمگیر دینی نظام ہونے کے بجائے ایک ایسا مذہب بن کر رہ جائے گا جو اسی زمانے تک محدود رہے گا جس میں وہ نازل ہوا تھا۔''

محترم پرویز صاحب نے زیر تبصرہ کتاب میں قرآن کریم کے معانی متعین کرنے کا یہ طریق اختیار کیا ہے۔

(الف) سب سے پہلے متعلقہ لفظ کے مادہ کو دیکھا جائے کہ اس کا بنیادی مفہوم کیا ہے اور خصوصیت کیا۔ اس مادہ کی شکلیں کتنی ہی کیوں نہ بدلیں' اس کی خصوصیت کی روح بالعموم ہر پیکر میں جھلکتی رہے گی۔

(ب) اس کے بعد دیکھا جائے کہ صحرا نشین عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال کس کس انداز سے ہوتا تھا۔ ان کے استعمال کی محسوس مثالوں سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان کے ہاں اس مادہ کا تصور (Concept) کیا تھا۔ واضح رہے کہ جب تک تصورات (Concept) کا تعین نہ کیا جائے' الفاظ کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ یہ وہ بنیادی اصول ہے جس پر دور حاضرہ میں (Semantics) نے بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ علم اللسان کے اس شعبہ کا مطالعہ' الفاظ کی روح تک پہنچنے میں بڑا ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

(ج) اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کس کس مقام پر آیا ہے اور اس نے اسے کس کس رنگ میں استعمال کیا ہے۔ ان مقامات سے اس لفظ کا قرآنی تصور (Quranic Concept) سامنے آ جائے گا۔

(د) سب سے بڑی چیز یہ کہ قرآن کریم کی پوری تعلیم کا مجموعی تصور سامنے ہونا چاہئے اور اس بنیادی اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اس کے مفردات اور اصطلاحات کا مفہوم اس کی مجموعی تعلیم کے خلاف نہ جائے۔ اس لئے کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ذہن کو خارجی اثرات سے الگ رکھ کر قرآن کا مطالعہ خود قرآن کی روشنی میں کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نور (روشنی) کہا ہے اور روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے خارجی مدد کی محتاج نہیں ہوتی۔''

اس طریق کی تائید میں انہوں نے درج ذیل دو مفکرین کی آراء کو بھی پیش کیا ہے۔

(1) علامہ اقبال کا بیان کہ قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریف آیات کی رو سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خارجی عناصر کو اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔

(2) شیخ محمد عبدہ کا تفسیر المنار کے مقدمہ میں قرآن کے صحیح معانی معین کرنے کے بارے میں موقف کہ کسی لفظ کے خاص معنی کو ترجیح دینے کے لئے قانون یہ ہوگا کہ وہ معنی سابقہ عبارت سے مطابقت اور موافقت رکھتے ہوں۔ پورے موضوع ومطالب سے اتفاق رکھتے ہوں اور قرآن کے مجموعی مقصد سے ہم آہنگ ہوں۔

لہٰذا متقدمین سے اختلاف کرنے پر کسی کو موردِ عتاب ٹھہرانا بلا جواز ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مودبانہ التجا

السلام علیکم۔

محترم قارئین! آپ کو معلوم ہے کہ اللہ کے فضل سے علامہ غلام احمد پرویزؒ سے زندگی میں شرفِ ملاقات حاصل کرنے والے اور فیضیاب ہونے والے ابھی بہت زیادہ لوگ اندرون ملک اور بیرونِ ملک حیات ہیں۔ اللہ کریم انہیں صحتِ کاملہ اور دین کی خدمت کی توفیقِ کثیر سے نوازے۔ ان سے درخواست ہے کہ وہ پرویزؒ کے اخلاق وکردار، امانت دیانت، دلیل وبرہان، علم وعمل، تحریر وتقریر، صوم وصلوٰۃ، جرأت وہمت اور قوانینِ خداوندی کی روشنی میں دیگر امور کے حوالے سے اپنے ذاتی تاثرات و مشاہدات سے مطلع فرما کر شکر گزار فرمائیں۔ جن رفقاء واحباب کے پاس پرویزؒ کے 1947ء سے پہلے یا بعد کے نایاب فوٹو یا خطوط اور اشعار وغیرہ موجود ہوں وہ بھی براہِ کرم ادارے میں ریکارڈ کے لئے مرحمت فرمادیں۔ (ادارہ طلوع اسلام)

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ: موبائل 0314-5035285	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
اوکاڑہ	برمکان احمد علی' بیت الحمد' 180-AB-4' شادمان کالونی' ایم۔ اے جناح روڈ' نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325' موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر تحصیل کبیر والا	بروز جمعہ	3PM
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز' زرعی سروس' ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	11/9-W' گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج' فون: 047-6331440-6334433' موبائل نمبر: 0345-7961795	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری' B-12' حیدرآباد ٹاؤن' فیز نمبر 2' قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔ رابطہ موبائل: 0336-3080355	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور' کمرہ نمبر 114' فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ' موبائل: 0331-5035964	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود' مکان نمبر 14/A' گلی نمبر 4' راہِ طلوع اسلام' جنجوعہ ٹاؤن' اڈیالہ روڈ' نزد جراہی سٹاپ' راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299' موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان' محلہ نظام آباد' وارڈ نمبر 9 خان پور' ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔ فون نمبر گھر: 068-5575696' دفتر: 068-5577839	بروز جمعہ	3PM
سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹر سٹی' سٹی ہاؤس' سٹی سٹریٹ' شہاب پورہ روڈ' رابطہ: محمد حنیف' 03007158446۔ محمد طاہر بٹ' 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM

سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
مینگورہ، سوات	خالد پلازہ (حاجی شمس الحق)، نشاط چوک، مینگورہ، رابطہ خورشید انور، 0315-9317755، رابطہ: ظاہر شاہ، 0346-9467559، بخت امین، 0333-9499254	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
فتح پور، سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946600277، موبائل: 0315-9317755	بروز اتوار	3PM
	محترم ظاہر شاہ خان آف علی گرام، سوات کا ڈیرہ۔ موبائل: 0346-9467559	ہر اتوار	9AM
کراچی	105 سی بریز پلازہ، شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد، فون نمبر: 0300-2487545	بروز اتوار	10AM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083، موبائل: 0300-2275702	بروز اتوار	10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900	بروز اتوار	2PM
	رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149		
کراچی	نالج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل	بروز اتوار	12AM
	فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-35407331		
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ ڈاکٹر غلام صابر، فون: 081-2825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ چوہدری تسنیم شوکت، موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546	بروز اتوار	10AM
لاڑکانہ	بر مکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ، رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد، (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-520969	بروز جمعہ	10 AM
	موبائل نمبر: 0334-4907242		
نواں کلی، صوابی	رابطہ ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار	10 AM
صوابی	بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: انچارج یونیلیٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی)	بروز اتوار	3 P.M
	فون نمبرز: (0938)310262, 250102, 250092		

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ENGLISH PAMPHLETS BY
IDARA TOLU-E-ISLAM

	RS.
Are All Religions Alike	5
How Sects can be Dissolved?	5
Islamic Ideology	5
Man & God	5
Quranic Constitution in an Islamic State	5
Quranic Permanent Values	5
What is Islam?	5
Why Do We Celebrate Eid?	5
Why Do We Lack Character?	5
Why is Islam the Only True Deen?	5
Woman in the Light of Quran	5
As-Salaat (Gist)	15
Economics System of the Holy Quran	15
Family Planning	15
Human Fundamental Rights	15
Is Islam a Failure?	15
Man & War	15
Rise and Fall of Nation	15
Story of Pakistan	15
The Individual or the State	15
Unity of Faith	15
Universal Myths	15
Who Are The Ulema?	15

ENJOY YOUR STAY AT
HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.
NEAR RAILWAY STATION – LAHORE

ALL COMFORTS AVAILABLE:

- T.V. & FAX
- AIR-CONDITIONED
- TELEPHONE EXCHANGE
- CAR PARKING
- LIFT, INTERNET
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com